شوخ بیانی

شوکت جمال

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اُردو بازار، کراچی



کتاب	:	شوخ بیانی
شاعر	:	شوکتؔ جمال
زیرِ اہتمام	:	سخن دوست، R-1158 سیکٹر 15-A/4 بفرزون، کراچی، پاکستان۔
اشاعتِ اوّل	:	جولائی 2003ء
اُردو کمپوزنگ	:	محمد عبدالکریم (021-6342008)
سرورق	:	عبداللہ کلیم
کارٹونسٹ	:	علیم احمد
ناشر	:	شوکتؔ جمال
طابع وتقسیم کار	:	فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی
قیمت پاکستان	:	۲۰۰ روپے
بیرونِ پاکستان	:	۲۰سعودی ریال، ۱۵امریکی ڈالر

پاکستان میں کتاب ملنے کا پتہ

فضلی بک سپر مارکیٹ

507/3 ٹیمپل روڈ، اُردو بازار، کراچی

فون: 2629720-5 فیکس: 2633887

سعودی عرب میں کتاب ملنے کا پتہ

مکتبہ الندوی

پوسٹ بکس 1884، ملّہ مکرمہ

ٹیلی فون: 5445026

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

انتساب

شگفتگی، شوخی، شرارت اور شفقت کا حسین امتزاج

مرحومہ بہن

سائرہ پروین

کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان خلق

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں ، مگر ایسے بھی ہیں
(سرور بارہ بنکوی)

جستہ جستہ

فن مزاح بہت نازک فن ہے۔خوشی ہے کہ شوکت جمال بہت کامیابی کے ساتھ اس فن کا حق ادا کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ عبّاس ندوی



ادب، شوکت جمال کو ورثہ میں ملا ہے، انہوں نے اپنے لیے طنز و مزاح کا انتخاب کر کے اس صنف میں سدا بہار پھول کھلائے ہیں۔اگر چہ انہوں نے سنجیدہ اشعار بھی کہے ہیں لیکن ان کی شناخت اور حوالہ مزاحیہ شاعری ہے۔شوکت جمال کی مزاحیہ شاعری میں ہنگامہ خیزی نہیں، شائستگی ہے۔وہ روایتوں، حالات، واقعات اور معاشرتی ناہمواریوں سے مزاح کا رنگ ابھارتے ہیں۔چٹکیاں لیتے ہیں لیکن چٹکیوں سے زخم نہیں ڈالتے بلکہ چونکاتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی



شوکت جمال نے اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔میں انہیں ایک کامیاب طنز و مزاح گو شاعر مانتا ہوں۔

پروفیسر مختار زمن



شوکت جمال یقیناً تخلیقی صلاحیتوں کے حامل ہیں ورنہ ایسے اچھے اشعار نہ کہہ پاتے۔ان کے مجموعۂ کلام سے محظوظ ہوا ہوں۔

ڈاکٹر سلیم اختر



شوکت جمال نے اپنے وطن کی سیاسی اور سماجی ناہمواریوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

جاذب قریشی



عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ مزاح نگاروں کی کتابیں گھروں میں رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں۔شوکت جمال ایسے مزاح نگار ہیں جن کی کتابیں شرفاء اپنے گھروں میں رکھ سکتے ہیں۔!

پروفیسر منور ہاشمی



شوکت جمال کی شاعری کے بارے میں کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ ان کی شاعری ،شوکت الفاظ اور احساسِ جمال کا امتزاج ہے۔

پروفیسر وحید الرحمٰن خاں



شوکت جمال کی مزاح نگاری دھیمے مزاج کی حامل ہے اور بے تکلف اظہار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ماہنامہ روداد، اسلام آباد



سادہ بیانی اور روانی

شوکت جمال کی شگفتہ طبعی اور تازگی شوخ بیانی پر آتی ہے تو سنجیدگی کے حصار کو توڑ کر گدگداتی ہوئی روح کی پاتال تک اتر جاتی ہے۔ کامیاب مزاح یہی ہے کہ پڑھنے والا ایک خوشگوار احساس کے ساتھ آگے بڑھے اور کہیں زیرِ لب اور کہیں بالائے لب، تبّسم کے ہلکورے محسوس کرے۔ شوکت جمال قاری کے پہلو میں گدگدی کرنے اور اسے ہنسانے کا فن جانتے ہیں۔ ان کے یہاں سادہ بیانی اور روانی ہے۔ بات کہنے کا سلیقہ ان کی شاعری کے امکانات کو روشن اور وسیع کرتا ہے اور ان سے بہت سی امیدیں وابستہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

عبدالکریم خالد

طنز و تعمیر کے پہلو

شوکت کا پہلا مجموعہ دیوانچہ کے نام سے کوئی دو برس قبل شائع ہوا تھا جسے طنز یہ مزاحیہ شاعری کے مجموعے کے طور پر ادبی حلقوں میں بجا طور پر سراہا گیا تھا۔

زیرِ نظر مجموعہ شوخ بیانی ہر طرح سے نقشِ ثانی کی تعریف پر پورا اترتا ہے اس مجموعے میں شامل منظومات شوخ بیانی کے اعلیٰ معیار کی حامل ہیں۔شوکتؔ جمال کے یہاں مزاح محض برائے مزاح نہیں ہے بلکہ تہ در تہ طنز و تعمیر کے پہلو بھی رکھتا ہے اس طرح ''شوخ بیانی'' کی نظمیں شوخی و خندہ زنی کا مواد ہی فراہم نہیں کرتیں بلکہ قاری کو سوچنے اور اپنا جائزہ لینے پر بھی مائل کرتی ہیں اور میرے نزدیک طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا یہ منصب بھی ہے اور مقصد بھی۔

محسنؔ بھوپالی

بن گئی حسن بیاں شوخ بیانی اس کی

اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک منفرد اور طرحدار مجموعۂ کلام ''دیوانچہ'' کے عنوان سے ، ہمارے ادبی حلقوں میں زبردست دھومیں مچا چکا ہے۔ سرزمین حرمین شریفین کے خوبصورت دارالحکومت ریاض میں مقیم شوکت جمال کا یہ دلکش مجموعۂ کلام شوکت افکار اور جمال ہنر کے ساتھ ساتھ زندگی کے شوخ رنگوں کا بھی حسیں شاہکار رہے، یعنی یہ سنجیدہ و مزاحیہ کلام کا امتزاج ہے اور جیسا کہ میں اب سے پہلے اس پر اظہار تاثر کرتے ہوئے لکھ چکا ہوں، گلہائے رنگ رنگ سے ترتیب پانے والے اس حسین گلدستے کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ اس میں شامل ہر پھول کے رنگ و بو اور حسن و صباحت کی انفرادیت کو بھی برقرار رکھا گیا ہے اور تمام پھولوں کہ یکجا کر کے ایک مجموعی دلآویزی بھی پیدا کی گئی ہے، جو مثالی کمال ہنر ہے۔

اور اب شوکت جمال کے شوخ و شگفتہ کلام پر مشتمل ان کا دوسرا مجموعہ ''شوخ بیانی'' کے نام سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ اس میں ''دیوانچہ'' سے بھی کچھ شگفتہ کلام شامل کیا گیا ہے اور تازہ کلام بھی۔ اس طرح یہ طنز و مزاحیہ شاعری کے ایک جامع مجموعہ کی حیثیت سے

شائع ہو رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعض لوگ چاندی یا سونے کا چمچہ منہ میں لیے پیدا ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے تو میں شوکت جمال کے بارے میں کسی خوش خیالی کا شکار نہیں ہوں، البتہ یہ یقین ضرور رکھتا ہوں کہ وہ ایک دلکش و پاکیزہ قلم کے ساتھ ایک ایسے صاحب علم و ادب اور صاحب حرف و بیاں کے گھر میں پیدا ہوئے تھے جن کے فکر و ہنر نے کئی ذہنوں کو روشنی عطا کی تھی۔ ان کے والدِ گرام جناب ابوظفر زین یقیناً ایک ایسی ہی شخصیت تھے جنہوں نے نہ صرف شعر و ادب اور علم و ہنر کی آبیاری کی بلکہ اہل علم و ادب کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا بھی سامان کیا۔ ان کی سراپا فیض شخصیت کو پاکستان کے عوام، بالخصوص شہروں کے شہر کراچی کے لوگ اب تک نہیں بھولے، نہ کبھی بھول سکیں گے۔ شوکت جمال انہی کی قائم کردہ روشن روایات کے علمبردار ہیں اور امین ہیں۔

انہوں نے سنجیدہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، شگفتہ گوئی کو اختیار کیا ہے۔ شگفتہ گوئی، یعنی طنز و مزاح نگاری، نثر میں ہو یا نظم میں آسان کام نہیں، بلکہ انتہائی مشکل اور جان لیوا کام ہے۔ اسی لیے اہلِ نقد و نظر اسے تلوار کی دھار پر ننگے پاؤں چلنے کا عمل قرار دیتے رہے ہیں اور یقیناً یہی سبب ہے کہ ہمارے ادب کے ہر دور میں نظم و غزل کی سنجیدہ شاعری کے حوالے سے تو شعراء کا ہجوم دکھائی دیتا ہے لیکن طنز و مزاح کے میدان میں معدودے چند...... دو، تین یا چار شاہسوار ہی دکھائی دیتے ہیں، ہمارے عہد میں سانس لینے اور دوسروں کے انفاس کے لئے کھلی پاکیزہ فضا پیدا کرنے والوں

میں شوکت جمال کا نام نمایاں اور قابل تکریم ہے۔

میں سکّہ بند نقّاد ہوتا تو شاید اس موضوع پر لمبی چوڑی بحث کر جاتا اور حسب روایت ایسی بہت سی باتیں بھی کرتا، جن کے مفہوم اور معنی کو محض مفروضوں کا ذریعہ سمجھا جا سکتا، لیکن میں نقاد نہیں صرف شاعر ہوں اور ادب کا مخلص اور خوش ذوق قاری اور سامع۔ اس لیے میں شوکت جمال کے آنے والے مجموعۂ شعر شوخ بیانی کے بارے میں ان کے پہلے مجموعۂ کلام ''دیوانچہ'' کی دلآویزی کی روشنی ہی میں بات کرسکتا ہوں اور وہ بات صرف اتنی ہی ہے کہ مجھے کامل یقین ہے کہ اس قدیم اصول کے تحت کہ، نقاش نقشِ ثانی بہتر نہد زاوّل، ان کا دوسرا مجموعہ شعر ''شوخ بیانی'' ان کے پہلے مجموعۂ کلام ''دیوانچہ'' سے بھی زیادہ دلکش، دلآویز اور فکر انگیز ثابت ہوگا اور نہ صرف ادب کے قارئین بلکہ ناقدین بھی پکار اٹھیں گے ع

بن گئی حسن بیاں شوخ بیانی اس کی

امدادؔ نظامی (تمغۂ امتیاز)
نظامی کاٹیج، نظامی سٹریٹ گلشن ٹاؤن،
بریوری روڈ، کوئٹہ

ندرتِ خیال

شوکتؔ جمال کی شاعری ان کی تازگی فکر، شگفتگی طبع اور ندرت خیال کا عکس ہے۔ ان کا پیرایۂ بیان مزاحیہ بھی ہے اور طنزیہ بھی۔ دور حاضر کی مضحکہ خیز بوالعجبیاں شاعر کی تیز نگاہی کا شکار ہیں۔ اکثر اشعار میں قاری اپنی تصویریں دیکھ کر متحیر ہو گا۔ طنز و مزاح دونوں کسی کی کمزوری بیان کرتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ایک کا مقصد ہمدردی و اصلاح ہے اور دوسرے کا مقصد تمسخر یا اہانت۔ شوکتؔ جمال دونوں کو بروئے کار لا کر معاشرے کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں قاری دل مسوس کر رہ جاتا ہے، جیسے ؎

افسر ہیں بنے ہارٹی کلچر کے وہ جب سے
تب سے ہے لگی بنگلے پہ اشجار کی تختی

یا

چناؤ سر پہ آئے ہیں چلیں گے پھول گیندے کے
گلوں میں لیڈروں کے پھر ڈلیں گے پھول گیندے کے

یہ اور اس قسم کے دوسرے اشعار شوکتؔ جمال کے مزاحیہ انداز کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کہیں کہیں ایک نوع

کی سنجیدگی بھی دکھائی دیتی ہے۔ بعض مقامات پر تو اتنے سنجیدہ ہوتے ہیں کہ مزاح کا نشان تک نہیں ملتا۔ اسے عیب جوئی نہ سمجھیے بلکہ خوبی گردانیے۔ اس سے یہ بھی سراغ ملتا ہے کہ وہ سنجیدہ طبع بھی ہیں اور کسی مفید مقصد کے بغیر مزاح کے بے تکے تیر نہیں چلاتے۔

محسن احسان
85-G-3 حیات آباد، پشاور

ناہمواری کی اصلاح

شوکتؔ جمال کا مزاحیہ کلام اس سے قبل بعض رسائل خصوصاً 'رابطہ' میں گاہے گاہے زیرِ مطالعہ آیا۔ اب بہت سا کلام یکجا دیکھ کر مسرت ہوئی کہ یہ گل ہائے پریشاں، لڑی میں منسلک ہو گئے ہیں۔

شوکت جمالؔ کا مزاح، مزاحیہ شاعری کے ضروری لوازمات سے معمور ہے۔ اس مزاح میں وہ گدگدی ہے جو بے ساختہ ہنسی لاتی ہے اور ہنسنے والا ہنستے ہنستے اپنی ناہمواری کی اصلاح پر مائل ہو جاتا ہے۔ ایسی چٹکی نہیں جو کھال کو نوچ ڈالے اور اس کی چبھن اور کسک طبیعت میں بیزاری پیدا کرے۔ شوکتؔ جمال نے سماجی اور سیاسی مسائل پر احتیاط و اعتدال سے قلم اٹھایا ہے اور دلچسپ و مفید شاعری کی ہے۔ امید ہے کہ شوکتؔ جمال کی آئندہ شاعری مزید فکر و فن کی پختگی کے ساتھ قارئین کو متوجہ اور مائل کرتی رہے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی

شوکت جمال کا فن!

مزاح اس کنول کی مانند ہے جو درد کی جھیل میں کھلتا ہے۔ اندوہ کو کشید کرنے سے جو قطرۂ عرق برآمد ہوتا ہے، اسے طنز و مزاح کہتے ہیں۔ بلاشبہ جو شخص محض زندگی گزارتا نہیں بلکہ اسے بسر کرتا ہے، زندگی کو جیتا ہے، زندگی سہتا ہے اور زندگی کرتا ہے، وہی ہنسنے اور ہنسانے کے فن سے آشنا ہوتا ہے۔ اسے ادراک ہوتا ہے کہ ہنسی کتنی مہنگی ہے، خوشی کس قدر نایاب ہے۔ پہلے وہ خود اپنے آپ پر ہنستا ہے، پھر دنیا پر ہنسنے لگتا ہے۔ اسے گدگدانے کا قرینہ آجاتا ہے۔ کبھی وہ چاقو کی نوک سے گدگدی کرتا ہے اور کبھی نوک قلم سے۔

میں سمجھتی ہوں طنز و مزاح لکھنا مشکل ترین کام ہے اور یہ ادب کی عالی اور اعلیٰ صف ہے۔ شوکت جمال اس میدان میں اپنی انوکھی اور نرالی سج دھج سے داخل ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں شوکتِ ہنر بھی ہے اور جمال فن بھی۔ ان کا مزاحیہ انگ تر و تازہ اور نرم گو ہے۔ پہاڑوں سے پھوٹنے والے چشمے کی طرح، گاہ چھیڑتا، گاہ اٹکھیلیاں کرتا، گاہ مٹکتا، گاہ مسکراتا، زندگی سے قریب تر نظر آتا ہے۔ وہ اپنے اوپر زبردستی کا مزاح طاری نہیں کرتے۔ نہ بنے بنائے شعروں پر پیوند

کاری کرتے ہیں۔ ان کا انداز بڑااوریجنل اور سافٹ ہے۔شعر پڑھتے ہی اپنے آپ مسکرانے لگتے ہیں۔

شوکتؔ جمال انسانی جبلتوں سے آگاہ ہیں۔ اپنے منفرد اورسادہ انداز کی بدولت الگ سے پہچانے جاتے ہیں ۔ان ہاں جدّتِ فکراورطرازیِ سخن بھی ہے۔

اس خلفشار کی ماری ہوئی دنیا میں ، جہاں خرید وفروخت کا ایک بازارلگا ہے،مسکراہٹ ہی ایک انمول چیز ہے۔شوکتؔ جمال کا دم اورفن غنیمت ہے کہ لوگوں میں خوشیاں اورمسکراہٹیں بانٹنے کا فریضہ ادا کررہے ہیں۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ جولوگ طنز ومزاح کررہے ہیں وہ نیکی کا کام کررہے ہیں۔ جینے کا سلیقہ عطا کررہے ہیں۔

میری دعا ہے اللہ تعالی ان کے قلم کوسدا ہرا بھرا رکھے۔آمین

بشریٰ رحمٰن
وطن دوست
C-8،احمد بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

شوکتؔ جمال......ایک کامیاب مزاح نگار

معروف کنیڈین ادیب اسٹیفن لیکاک نے مزاح کے بارے میں بڑی جچی تلی رائے دی تھی۔ اس نے کہا تھا: ''مزاح زندگی کی ناہمواریوں کا مشفقانہ ادراک اور اس کا فنکارانہ اظہار ہے۔مزاح کی روح انسانی ہمدردی میں پوشیدہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزاح میں مسخرے پن کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلا شبہ مزاح نگار انسانی رویوں کو ایسے زاویے سے دیکھتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ہولناکیاں دم توڑ دیتی ہیں، کمزرویاں لطف دینے لگتی ہیں اور تلخیاں قہقہوں میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اس پہ طرفہ یہ کہ جسے مزاح کا ہدف بنایا جاتا ہے، وہ خود بھی داد دینے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مزاح نگار پر مومنؔ کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اُسی طرح

انسانی فطرت کے منفی اور قابل اصلاح پہلوؤں کو اگر تند گوئی کے ساتھ ہدف تنقید بنایا جائے تو نہ صرف یہ کہ معاشرے میں بگاڑ برقرار رہتا ہے بلکہ تعلقات میں بھی دراڑ پڑ جاتی ہے۔ پند و نصائح کا

انداز بھی انسان کے مزاج سے لگا نہیں کھاتا اور نہ ہی بحث وتکرار سود مند ثابت ہوتی ہے۔ مزاحیہ رنگ اختیار کر کے آپ کو ایسی IMPUNITY (برائیت) حاصل ہو جاتی ہے کہ آپ آزادی اور بے باکی کے ساتھ کہہ سکیں۔اسی لیے ارسطو نے مزاح کو ''مہذب گستاخی'' قرار دیا تھا۔

جناب شوکت جمال، جن کا ادبی سفر خاصا طویل ہو چکا ہے، ہمارے عہد کے ایک اہم اور قابل ذکر مزاح نگار ہیں۔زیرِ نظر کتاب ''شوخ بیانی'' ان کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے، اس سے قبل ان کا پہلا مجموعہ ''دیوانچہ'' اہل ذوق حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔اگر میں یہ کہوں کہ حس مزاح انہیں ورثے میں ملی ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا، اس لیے کہ ان کے والد ابوظفر زین (مرحوم) بھی ایک مستند اور مسلم الثبوت مزاح نگار تھے۔اپنے عظیم والد کی طرح شوکت جمال بھی نظم اور نثر دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔یہ بات اور ہے کہ نثر کی طرف ان کا رجحان نسبتاً کم ہے۔

اس مجموعے میں نظمیں بھی ہیں، غزلیں بھی ،قطعات بھی اور تضمینیں بھی۔ انھیں پڑھ کر فوری احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے زبردستی ہنسانے کی کوشش نہیں کی ہے، میں اسے صحت مند مزاح کے لیے پہلی شرط سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ آج جو اُردو کا مزاحیہ ادب انحطاط کا شکار ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مزاح نگار اپنی تحریروں میں مداری کے کرتب دکھاتے نظر آتے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ قاری کسی نہ کسی طرح ہنس پڑے۔ قاری کو ہنسی تو کیا آئے گی، الٹا سر پیٹ لیتا ہے (اس کے بس میں ہو تو

مزاح نگار کا بھی سر پیٹ لے) شاید ایسے ہی دیگر گوں حالات سے دل برداشتہ ہو کر پاکستان کے ایک روشن خیال مزاح گو شاعر (ڈاکٹر انعام الحق جاوید) نے اعلان کیا ہے کہ وہ 2002ء کے بعد مزاحیہ شاعری سے '' تائب '' ہو جائیں گے۔

شوکتؔ جمال نے مزاح میں شائستگی کی اُن روایات کی پاسداری کی ہے جو، اب معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ اوّلاً انھوں نے موضوعات کا انتخاب بہت سوجھ بوجھ کے ساتھ کیا ہے، تمام موضوعات ہمارے سامنے کے ہیں، جن سے ہمیں دن رات واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ پائی پائی جوڑ کر برسوں میں کہیں جا کر اس قابل ہوتے ہیں کہ مکان تعمیر کروائیں تاکہ اس کی آمدنی ضرورت کے وقت کام آئے لیکن ہوتا یہ ہے کہ محنت کی کمائی سے تعمیر شدہ مکان پر ناجائز قبضہ کر لیا جاتا ہے، جسے ختم کروانے کے لیے مالک مکان کو مزید زیر بار ہونا پڑتا ہے اور عدالتوں کے چکر الگ لگتے ہیں۔ شوکتؔ جمال نے اپنی غزل کے ایک شعر میں اس پوری کیفیت کو یوں کوزے میں بند کیا ہے ؎

مکاں کرائے پہ دے کر جو لوگ خوش تھے بہت
عدالتوں میں ہیں وہ لوگ اب مکاں کے لیے

اجتماعی بے حسی آج کے دور کا ایک شعار بن چکا ہے۔ ہم اپنے اردگرد واقع ہونے والے مصائب و مسائل سے لاتعلق رہنے اور ان میں مبتلا لوگوں سے پہلو تہی کرنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ مزاح کے ایک سینئر شاعر پروفیسر عنایتؔ علی خان نے اپنے ایک شعر میں قومی کردار کے اس افسوسناک پہلو کو یوں رقم کیا ہے ؎

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

شوکت جمال نے علامہ اقبال کی زمین (کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ) میں بے حسی کو موضوع سخن بنایا ہے، اپنے قاری کو یہ ''صائب'' مشورہ دیتے ہیں ؂

کترا کے نکل جا کہ اسی میں ہے بھلائی
جب بھی کوئی اپنا کسی تھانے میں کھڑا دیکھ

''امدادِ باہمی'' ایک دلچسپ اور واقعاتی نظم ہے، جس کا تانا بانا ایک شاعر کی گمشدہ بیاض کے گرد بنا گیا ہے۔ جب ایک اور شاعر کو یہ اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے ہم عصر کو فون کر کے اس سے ہمدردی اور اظہار یکجہتی کرتے ہیں۔ ایک مرحلے پر وہ جوش تعاون میں یہ پیشکش بھی کر دیتے ہیں ؂

مرا دیوان حاضر ہے، اسے اب آپ ہی رکھ لیں
سمجھ لیں ہر غزل، قطعہ، رباعی، مثنوی اپنی

تاہم متاثرہ شاعر اس پر رضامند نہیں ہوتے۔ اب ایک طرف سے اصرار اور دوسری طرف سے مسلسل انکار کے مکالمے قاری کو محظوظ کرتے ہیں۔ یہ نظم اس وقت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے جب اس ردّ و کد کے دوران میں، بے خیالی میں، غم زدہ شاعر کے منہ سے نکل جاتا ہے ؂

نشانی اس مبارک دن کی تھی جب میرے دفتر میں
بیاض شاعری بھولا تھا کوئی اجنبی اپنی

پورے مجموعے میں شاعر نے ابتذال اور یاوہ گوئی سے پرہیز

کیا ہے۔اس کی مثال تل کے موضوع پر ایک شعر میں ملتی ہے۔محبوب کے رخسار پر پائے جانے والے تل کے حوالے سے اردو کی مزاحیہ شاعری میں متعدد سوقیانہ اشعار بھی دستیاب ہیں لیکن شوکتؔ جمال محض تکرار لفظی پر اکتفا کرتے ہوئے مزاح پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔کہتے ہیں ؎

رخسار و زلف و لب کی وہ سنتے رہے صفات
تل کا ہوا جو ذکر تو وہ تلملا گئے

غالبؔ کی ایک غزل پر پانچ پانچ مصرعوں کے پانچ بند ایسی چابکدستی سے کہے گئے ہیں کہ مرزا کے حقیقی (پانچویں) مصرعے کا جدید مفہوم سامنے آتا ہے جو، ہر ایک کے تجربے کی بات ہے۔ پہلے بند کی شوخ بیانی ملاحظہ ہو ؎

گزرے وہ جھلاتے ہوئے جھمکا مرے آگے
لاکٹ ہے تو کنگن ہے تو چھلا مرے آگے
رہتا ہے ہمیشہ ہی یہ خطرہ مرے آگے
لڑکی مرے آگے ہے کہ لڑکا مرے آگے
''ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے''

بیگمات سے نوک جھوک ہمیشہ سے مزاح نگاروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ یہ روایت اکبرؔ الہٰ آبادی کے دور سے چلی آ رہی ہے،جن کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

اکبرؔ کبھی دبے نہیں سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

بیگمات کی شاپنگ کو طنز کا نشانہ بنایا جائے تو مزاحیہ شعر

دوآتشہ ہو جاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت شوکتؔ جمال کے اس قطعے میں پائی جاتی ہے ؎

بیگم کے ہیں، جو میں نے اٹھائے ہیں یہ تھیلے
اپنا انہیں کہنے کو میں تیار نہیں ہوں
بل میں نے دکانوں پہ چکائے تو ہیں بے شک
''بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں''

موجودہ پرآشوب دور میں جبکہ ہر طرف بحرانوں کا راج ہے، لوگ بوکھلائے ہوئے ہیں اور ان کے چہروں سے مسکراہٹ گویا روٹھ گئی ہے، اگر کوئی قلم کار تھوڑی دیر کے لیے ماحول کے بوجھل پن کو کم کر کے نہ صرف ہمیں ذہنی آسودگی فراہم کرتا ہے بلکہ چہروں پر مسکراہٹ بھی بکھیر دیتا ہے تو میرے نزدیک یہ اس کی ایک بڑی خدمت ہے۔ ویسے بھی بقول شخصے ؎

کون بہتے ہوئے اشکوں پہ نظر رکھتا ہے
لوگ ہنستے ہوئے چہروں کو دعا دیتے ہیں

جناب شوکتؔ جمال ہماری دعا کے مستحق ہیں کہ ان کا کلام پڑھ کر صاحبِ ذوق قاری کو ہنسی بھی آتی ہے اور وہ کچھ سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی ایک مزاح نگار کی کامیابی کی بیّن دلیل ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی

سوکنوں سے یکساں سلوک!

سنجیدہ شاعری کرنے والے مزاحیہ شاعری نہیں کرتے ۔ مزاحیہ شاعری کرنے والے عموماً سنجیدہ شاعری جیسی ثقیل شے سے پرہیز کرتے ہیں۔ شوکت جمال ان معدودے چندشعراء میں شامل ہیں جنہوں نے ع

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

کے مصداق بیک وقت پرہیز اور بد پرہیزی کا عمل جاری رکھا۔ جہاں بھی انہیں اپنے اظہار کے لیے ایک میڈیم ناکافی محسوس ہوا انہوں نے فورا چینل بدل کر اپنی بات مؤثر طریقے سے پہنچانے کا مقصد حاصل کرلیا، جس کا یہ فائدہ ہوا کہ سنجیدہ شاعری کا تغزّل ان کی مزاحیہ شاعری میں بھی رواں دواں ہے اور ان کی سنجیدہ شاعری بھی خشک نہیں، حیدآبادی بریانی کی طرح لگتی ہے۔!

عموماً دو شادیاں ہر ایک کو راس نہیں آتیں، اور سنجیدہ اور مزاحیہ شاعری تو ایک دوسرے کے لیے لڑاکا سوکنیں ثابت ہوتی ہیں مگر شوکتؔ جمال نے دونوں سے برابر کا سلوک کیا اور ایک دوسری کو شیر وشکر ہوکر رہنے کا طریقہ سکھایا۔ شرابوں میں شرابیں ملا کر نشہ

بڑھانے کا یہ عمل دیکھ کر مجھے ایک بہت پرانا شعر یاد آ گیا ؎

ترے گھر کی سل پہ میں نے اس قدر پٹخا ہے سر
سل کے ٹکڑے سر میں ہیں اور سر کا قیمہ سل میں ہے

شوکت جمال نے بھی دونوں انداز میں قلم اٹھاتے ہوئے سل اور سر کے ٹکڑے ملا دیے ہیں۔ انہوں نے وطن کے حالات، سیاسی خلفشار، پردیس میں رہنے والوں کے مسائل، وطن میں ان کے اہل خانہ کے مسائل، معاملات دل وغیرہ پر دونوں انداز سے لکھا ہے۔ ان کی شاعری سنجیدہ شاعری ہو یا مزاحیہ، اس میں ان کی شخصیت کی طرح ایک ٹھہراؤ، ایک توازن ہے۔ وہ پھول مارتے ہیں، پتھر نہیں، سوئی چبھوتے ہیں خنجر نہیں۔ ان کی سنجیدہ شاعری پڑھ کر جھونک لینے کو جی نہیں چاہتا، بس دل کے اندر دکھ کی لہر سی بیدار ہو جاتی ہے۔ ان کی مزاحیہ شاعری پڑھ کر قہقہہ لگانے کو نہیں، زیر لب مسکرانے کو جی چاہتا ہے۔ طنزیہ اشعار پڑھ کر معاشرے کو سدھارنے کے لیے گنڈاسہ اٹھانے کو جی نہیں چاہتا بلکہ قاری خود کو اسی معاشرے کا ایک رکن سمجھ کر لطیف سی خجالت محسوس کرتا ہے۔

نسیم سحر
پوسٹ بکس نمبر 5925
جدہ 21432 سعودی عرب

افسرِ بے کارِ خاص!

ہماری بڑی بیٹی سارہ انتیس رمضان کو روزہ کھولنے کے بعد ٹیرس پر کھڑی عید کا چاند دیکھ رہی تھی۔ جب کافی دیر ہوگئی اور چاند نظر نہ آیا تو جھنجلا کر بولی:

''ابوجی ی ی ی...... چاند نظر نہیں آ رہا، کل ایک روزہ اور رکھنا پڑے گا!''

چھوٹی بیٹی حفصہ نے سنا تو نماز چھوڑ کر دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی:

''باجی...... باجی...... انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر ڈھونڈو چاند مل جائے گا......!''

چاند ہوتا تو دکھائی دیتا۔ یہی حال مزاحیہ مجموعوں کا ہے۔ اکثر مزاح گو شاعروں کے ہاں مزاح انتیس کے چاند کی مانند ہوتا ہے۔ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا بلکہ اکثر حالتوں میں تو قاری بیچارے کو پورا مجموعہ کھنگالنے کے بعد انا للہ پڑھنا پڑتی ہے، لیکن شوکتؔ کی شاعری مجموعی طور پر جاندار ہے اور ان کا مزاح تیس کے چاند کا سا جمال لیے ہوئے ہے، جو ''نمکین غزل'' یا ''سخن ظریف'' لکھے بغیر بھی بآسانی

نظر آجاتا ہے۔ وہ پیروڈی بھی بہت اچھی کرتے ہیں ورنہ آج کل تو حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ سخن ظریفی کے نام پر ستم ظریفی کر رہے ہیں اور ظرافت کے نام پر گھٹیا اور غیر معیاری مزاح پیش کر رہے ہیں۔

اب شوکت کی شخصیت کے تین پہلو:

ہمارے ہاں یہ تاثر عام ہے کہ اردو زبان میں مزاح لکھنے والے اب آہستہ آہستہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ الزام لگانے والوں کا مطالعہ محدود ہے اور ان کی نظر سے زرداروں کی زیر سر پرستی نکلنے والے ادبی رسائل میں چھپے ہوئے تنقیدی مضامین اور خصوصی گوشے نہیں گزرے، جو لطیف مزاح کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ہمارے تمام اچھے اہل قلم بیرون ملک ''مقیم'' ہیں اور ملک میں صرف ''مسافروں'' کا ڈیرا ہے......! لیکن شوکتؔ کی شان دیکھیے کہ استطاعت اور استحقاق رکھنے کے باوجود نہ تو کسی ایسے رسالے میں اپنا ''فکاہی گوشہ'' لگوایا، نہ ہی خصوصی نمبر نکلوایا۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہ اردو اور انگریزی کے مستند صحافی، کالم نگار، شاعر، مصنف اور مترجم سید ابوظفر زین مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور اعلیٰ خاندانی پس منظر کے حامل ہیں۔

شوکتؔ کا اپنے فرائض منصبی کے ساتھ انصاف کرنا بس اسی بات سے ثابت ہے کہ وہ سعودی عرب میں جس کمپنی میں ملازم ہیں، اس کا کاروبار کافی عرصے سے روبہ زوال ہے، پھر بھی مالکان نے انہیں اپنے دفتر میں بطورِ خاص بیکار رکھا ہوا ہے اور تنخواہ دیے جا رہے ہیں۔ تاویل یہ پیش کرتے ہیں کہ تم نے یہ دفتر کھولا تھا، تم ہی اسے تالا بھی لگاؤ گے، ورنہ ہمارے ہاں تو ایسے حالات میں سیٹھ اپنے

ملازموں کو (بقول غالبؔ) نہ تنخواہ دیتے ہیں نہ جواب۔ بس کام لیے چلے جاتے ہیں۔

شوکتؔ کے بے تکلف اور ملنسار ہونے کی گواہی ہم دیں گے۔ پہلی ملاقات کے بعد دوسری بار ملنے آئے تو ہم نے انہیں اپنے ہاں ادبی نشست پر مدعو کیا۔ ہمارے پرانے فلیٹ کے لاؤنج میں (جسے ہم عزت سے ''ڈرائنگ روم'' کہا کرتے تھے) اٹھائیس آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ چونکہ ادیب اور شاعر حضرات ذرا پھیل کر بیٹھتے ہیں اور کھل کر گفتگو کرتے ہیں، اس لیے ہم نے تقریب کے لیے پندرہ مہمانوں کی ایک فہرست تیار کی۔ دوسرے روز دفتر سے گھر پہنچے تو شام کو ان کا فون آیا کہ میں اپنے ساتھ آپ کی بھابی کو بھی لیتا آؤں۔ ہم نے کہا لے آئیں اور فون رکھ کر اسی وقت اپنی فہرست سے ایک شاعرہ کا نام کاٹ دیا۔ اگلے روز پھر فون آیا کہ میں آج کل اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں، شاید وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ آئیں۔ ہم نے کہا، کوئی بات نہیں اور فون رکھتے ہی فہرست سے ایک شاعر اور ایک ادیبہ کا نام اور حذف کر ڈالا۔ تقریب میں چار روز باقی تھے اور اہل قلم کو دعوت دے چکے تھے کہ رات کو پھر فون آیا: ''اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں مووی بنانے کے لیے دو لڑکوں کو بھی اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ دراصل سعودی عرب میں ادبی تقریبات کی ریکارڈنگ دیکھنا بھی ہمارے لیے جی بہلانے کا ایک ذریعہ ہے۔'' سوچا بھی نہ تھا کہ ہماری صورت بھی کبھی کسی کے لیے تفریح کا باعث بن سکتی ہے۔! ہم نے کہا آپ انہیں شوق سے لائیں اور ان کی جگہ بنانے کے لیے سالن میں پانی ڈالنے کی بجائے ہم نے اپنے چھوٹے بھائی اور بھابی یعنی

کامران اور طاہرہ کے نام پر کراس لگا دیا۔ اب سمجھ میں آیا کہ بڑی ادبی تقریبات سے چھوٹوں کے نام اچانک کیوں کٹ جاتے ہیں۔ شوکت کی یہ بے تکلفی اور اپنائیت ہمیں بے حد پسند آئی اور ہم نے انہیں اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل کرلیا۔!

انور احمد علوی
D-12، ابراہیم بلیسنگ ،
گلشن اقبال، بلاک-11
کراچی-75300

دوسری شوخ بیانی!

شوکت جمال اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان کی پہلی کتاب بھی ''شوخ بیانی'' ہی تھی!

شوکت جمال نے اپنی دونوں کتابوں کے نام بہت سوچ بچار کے بعد رکھے، جیسے کوئی اپنی اولاد کا نام خاصے غور وخوض کے بعد رکھتا ہے۔! اپنی ''پہلوٹھی کی معنوی اولاد'' کا نام انہوں نے ''دیوانچہ'' رکھا۔ اگرچہ بعض (غیر) معتبر احباب نے اس نام پر اعتراض کیا کہ دیوانچہ چہ معنی؟ لیکن معروف اہل علم نے اس نام کی انفرادیت کو سراہا۔ میں نے دیوانچہ اور ''صاحب دیوانچہ'' کے بارے میں اپنے دلی تاثرات کا تحریری اظہار کیا تو اس اظہار نامے کا عنوان ''شوکت شوخ بیانی'' رکھا۔ ''شوکتِ شوخ بیاں'' کو غالباً یہ عنوان بھلا لگا چنانچہ انہوں نے اپنی دوسری معنوی اولاد کا نام ''شوخ بیانی'' پسند فرمایا۔

شوکت جمال کا اصرار ہے کہ ان کی پہلی کتاب ''دیوانچہ'' خالصتاً مزاح کی کتاب نہ تھی اور یہ کہ انہیں ایک ''سنجیدہ شاعر'' کے طور پر بھی تسلیم کیا جانا چاہیے لیکن میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں شوکت جمال کی وقعت اور قدر و منزلت،

شوکتؔ جمال کی سنجیدہ شاعری سے زیادہ ان کی مزاحیہ شاعری کی وجہ سے ہے۔ میں سنجیدگی کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ شوکتؔ جمال کو رب کریم نے بہت لطیف حس مزاح عطا فرمائی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہیں شائستہ طبع بنایا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انہیں دل دردمند سے نوازا ہے۔ یہ عناصر جب باہم تعامل کرتے ہیں تو نہایت بامقصد، شائستہ، لطیف اور پرمزاح ''شوخ بیانی'' وجود میں آتی ہے۔

شوکتؔ جمال کے کلام پر لطف میں بڑا تنوع ہے۔ وہ میاں بیوی کی روایتی نوک جھوک سے لے کر شاعروں کی ہیئت کذائی پر اور لال بیگ سے لے کر بلی کے ہاں ولادت پر بلاتکلف اظہار خیال کرتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ ان بظاہر عام سے موضوعات کو نظم کرتے ہوئے ہماری سماجی کمزوریوں پر بڑی گہری طنز کر جاتے ہیں، پھر یہ کہ وہ الفاظ کا چناؤ اتنے قرینے سے کرتے ہیں کہ موضوع کی نزاکت کے باوجود کہیں ہلکا پن محسوس نہیں ہوتا۔

شوکتؔ جمال صحرائے ادب میں طویل سفر طے کر چکے ہیں لیکن ابھی انہیں دور...... بہت دور جانا ہے۔ بہت سی کٹھن منازل ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ دل کی گہرائیوں سے میری خواہش اور دعا ہے کہ شوکتؔ جمال بہت معیاری مزاح تخلیق کریں، جو اردو ادب میں رہتی دنیا تک کے لیے اپنا اعلیٰ مقام محفوظ کروا سکے۔

کلیم چغتائی

ایڈیٹر ماہنامہ 'رابطہ'

اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

میرے پہلے مجموعۂ کلام ''دیوانچہ'' کی جس قدر پذیرائی ہوئی، وہ میری توقعات سے بہت بڑھ کر تھی۔ یہ کتاب وطنِ عزیزا ور دوسرے ممالک میں کئی دانشوروں اور صاحب ذوق خواتین وحضرات کی نظر سے گزری۔ دیوانچہ کا جو حصّہ مزاحیہ اور طنزیہ غزلوں اورنظموں پر مشتمل تھا، وہ زیادہ سراہا گیا، اگرچہ میری سنجیدہ غزلوں کی ستائش میں بھی اہلِ نقد ونظر نے بخل سے کام نہیں لیا۔

اسی اثناء میں دو باتیں ہوئیں۔ایک تو دیوانچہ کا پہلا ایڈیشن بازار سے عنقا ہوگیا، دوسرے کچھ اور مزاحیہ کلام بھی وارد ہوا جو صفِ اوّل کے جرائد میں چھپا اور پسند کیا گیا۔ میرے دوستوں اور کرم فرماؤں کی رائے ہوئی کہ دیوانچہ کا دوسرا ایڈیشن چھپوانے کی بجائے، مزاحیہ اور طنزیہ کلام کو یکجا کر کے ایک نیا مجموعہ شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس دورِ پرآشوب میں اچھے اور صاف ستھرے مزاح کی جو کمی ہے، میری یہ کتاب ''شوخ بیانی'' اس کمی کو کسی حد تک پوری کرنے کی ایک کوشش ہے۔

مانا کہ ہم زمیں کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم
(ساحؔر لدھیانوی)

میں اپنے بزرگ محترم جناب محسنؔ بھوپالی صاحب کا مشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف ناچیز اور ''دیوانچہ'' کو اہل ذوق لوگوں میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ شوخ بیانی کے سلسلے میں بھی قدم قدم میری رہنمائی کی۔ میں اپنے محترم دوست جناب کلیم چغتائی صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں جو ہمیشہ اپنے پرخلوص مشوروں سے نوازتے رہے اور اپنی مصروفیات میں غوطہ زن رہنے کے باوجود اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں معاون رہے۔ یہاں میں ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی صاحب، محترم امدادؔ نظامی صاحب، ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی صاحب، جناب محسنؔ احسان صاحب، محترمہ بشریٰ رحمٰن صاحبہ، جناب نجم فضلی، پروفیسر نجم الہدیٰ، محترمہ نیّر جہاں صاحبہ، محترمہ عذرا نقوی صاحبہ، ڈاکٹر پرویز احمد صاحب، جناب مطیع الرحمٰن عارف، جناب انور علوی صاحب وغیرہ کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جن سے ذاتی تعارف ''دیوانچہ'' چھپنے کے بعد ہوا لیکن ان کی شفقت، محبت اور حوصلہ افزائی دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یارب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں عالمی اردو مرکز جدہ کے جناب منوّرؔ ہاشمی، جناب نسیم سحرؔ، جناب اطہرؔ نفیس عبّاسی صاحب، جناب حامد اسلام خاں صاحب، جناب شاہد نعیم صاحب اور ان کے رفقاء کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جنہوں نے سعودی عرب میں ''دیوانچہ'' کی پذیرائی کے لیے ایک

شاندار اور یادگار تقریب کا اہتمام کیا۔

اس کتاب کی ترتیب میں ہمارے کارٹونسٹ جناب علیم احمد کی کاوشیں بھی برابر کی ہیں۔ میرے مافی الضمیر کو اپنے خاکوں کی مدد سے مزید اجاگر کرنے کے سلسلے میں ان کی محنت قابل تعریف ہے۔

شوکت جمال
پوسٹ بکس نمبر 80، ریاض 11411،
سعودی عرب

غزلیں





کھول آنکھ ، گھڑی دیکھ ، بجا کیا ہے ذرا دیکھ
ڈھلتے ہوئے سورج کو مرے ماہِ لقا دیکھ

لازم نہیں در پر سگِ لیلیٰ ہی ملے ، چل
ہمت سے ذرا کام لے گھنٹی تو بجا دیکھ!

خوشبو سی جو آتی ہے پڑوسن کے کچن سے
برتن یہ اٹھا ، جا کے وہاں کیا ہے پکا ، دیکھ!

بالوں میں سجانے کو ، لیے پھول کھڑا ہوں
سینے میں رقیبوں کے ہے کانٹا تو چبھا دیکھ

محفل سے مجھے جیسے اٹھاتا ہے ہمیشہ
ایسے ہی کسی روز رقیبوں کو اٹھا دیکھ

دیکھا جو نظر بھر کے ، گرا تیری نظر سے
انصاف یہ کیسا ہے ، خطا دیکھ ، سزا دیکھ

کترا کے نکل جا کہ اسی میں ہے بھلائی
جب بھی کوئی اپنا کسی تھانے میں کھڑا دیکھ!



جانے کہاں کہاں سے یہ آتے ہیں لال بیگ
دن رات مرد و زن کو ستاتے ہیں لال بیگ

جن کو ڈرا سکے نہ کبھی زندگی میں ہم
ان کو کچن میں آ کے ڈراتے ہیں لال بیگ!

زنبور جن میں رہتے تھے سکھ چین سے کبھی
ان روزنوں میں ڈنکے بجاتے ہیں لال بیگ

خنجر نہیں ہے جن کو میسر وہ آج کل
سنتے ہیں آستیں میں چھپاتے ہیں لال بیگ

کرتے ہیں عشق کو بھی یہ عاجز ، شب فراق
اور نیند حسن کی بھی اُڑاتے ہیں لال بیگ

احمد فرازؔ! سوکھے ہوئے پھول اب کہاں
دھومیں کتاب میں بھی مچاتے ہیں لال بیگ

لازم ہے یہ کہ دل میں رہے کوئی آپ کے
خالی گھروں کو ورنہ بساتے ہیں لال بیگ!

کیڑے ہیں یہ ذرا سے کہ سسرال کے عزیز
جاتے نہیں وہ گھر سے ، نہ جاتے ہیں لال بیگ!



خط مجھے لکھنے کی فرصت ہے میسر ان دنوں
اس لیے مصروف ہے میرا کبوتر ان دنوں

یہ کرشمہ ہے مری چلّہ کشی کا عشق میں
میری شاگردی میں ہیں پیر و قلندر ان دنوں

پاؤں میرے گڑ گئے تیری گلی کی خاک میں
آسماں پر ہے مگر میرا مقدر ان دنوں

اب تو سب پاپوشِ نسواں بن رہے ہیں کاغذی
اس لیے پیر و جواں سب ہیں دلاور ان دنوں!

مجھ سے محفل میں مخاطب ، ہو نہ ہو وہ مہ جبیں
بیٹھتا تو ہے مگر میرے برابر ان دنوں



محبت کے سودے میں گھاٹا پڑا ہے
کریڈٹ پہ دل ان کو دینا پڑا ہے

حصص گر گئے ہیں خلوص و وفا کے
دباؤ جو افراطِ زر کا پڑا ہے!

تہ و بالا اس دن سے ہے طاقِ نسیاں
تری یاد کا جب سے چھاپا پڑا ہے!

دلہن گھر میں آئے تو یہ آمدن ہے
اس 'انکم' پہ بھی ٹیکس دینا پڑا ہے!

کہیں سلسلہ یہ رکے تو عیاں ہو
کہ گھی کسی کی کھچڑی میں کتنا پڑا ہے

ہوا ''ڈاکومینٹیڈ'' نظامِ معیشت
کہا ڈاکوؤں کا جو سننا پڑا ہے!

سیاست کا ایواں ہے یا مے کدہ ہے
نظر جس پہ ڈالو ، وہ اوندھا پڑا ہے



بیگم کا خوف ہو مجھے کیونکر لگا ہوا
میں بھی تو اپنے گھر میں ہوں شوہر لگا ہوا!

گھر میں ہو ایک اور ، یہ امکان تو نہیں
کوشش میں ہوں مگر میں برابر لگا ہوا!

مجھ سے خفا خفا سے رہے وہ جو رات بھر
میں بھی پڑا رہا سر بستر لگا ہوا!

لاتا اسی دکاں سے ہوں جا کر دوائے دل
وہ دل شکن جہاں ہے منیجر لگا ہوا

کیوں کھینچتے ہو ٹانگ مری بات بات پر
آتا نہیں نظر؟ ہے پلستر لگا ہوا!

قسمت کا کھیل ہے کہ ہوئے آپ ہمسفر
پریوں کا ورنہ پیچھے تھا لشکر لگا ہوا!

دانشورانِ شہر میں میرا بھی نام ہے
مخمل میں جیسے ٹاٹ کا استر لگا ہوا



دن خیر سے گزرا تو لگا رات کا کھٹکا
ہے شہر میں ہر لمحہ خرابات کا کھٹکا

دو ہاتھ تو ملتے ہیں مگر دل نہیں ملتے
مسلک کا کبھی ہے ، تو کبھی ذات کا کھٹکا

تنخواہ اگر پوری ہو بیگم کے حوالے
رہتا نہیں پھر گھر میں فسادات کا کھٹکا

جاتا نہیں اب سیرِ گلستاں کو بھی کوئی
ہر پھول کا کھٹکا وہاں ، ہر پات کا کھٹکا

بل دینے کو بجلی کا جو بھیجا ہے عدو کو
پھر ہم سے ملاقات میں کس بات کا کھٹکا

جاتا تو ہوں تھانے میں ضمانت کو کسی کی
دل میں ہے مگر میرے حوالات کا کھٹکا

ڈرتے نہیں جو ٹیکس کلکٹر سے ہے ان کو
بھتے کے کلکٹر سے ملاقات کا کھٹکا



اس قدر اب آنا جانا اُس کے در پر ہوگیا
یوں سمجھ لو پاؤں میں میرے سنیچر ہوگیا

کل جسے مل کر تمہارا جی مکدر ہوگیا
وہ رقیب روسیہ اب ہم سے بہتر ہوگیا؟

''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے''
پھول سا گدّا جو تھا ، پُرخار بستر ہوگیا

اشک شوئی کی نہیں ہے فکر تم کو اور یہاں
روتے روتے آنسوؤں کا اک سمندر ہوگیا

میں تو بس دیتا رہا اُن کے سوالوں کے جواب
دن جو بہرِ وصل تھا ، وہ روزِ محشر ہوگیا



زخمِ دل کا مرہم اکسیر کوئی لے اُڑا
چوکھٹا رہنے دیا ، تصویر کوئی لے اُڑا

قیس و رانجھا تو بچارے ہاتھ ملتے رہ گئے
ہو گئی لیلیٰ کسی کی ، ہیر کوئی لے اُڑا

ہائے وہ اُس کا تصور ، ہائے پروازِ خیال
خواب ہم دیکھا کیے ، تعبیر کوئی لے اُڑا

اس سے پہلے کہ اُٹھاتا اپنے رُخ سے وہ نقاب
شربتِ دیدار کی تاثیر کوئی لے اُڑا!

جھانکتا ہی رہ گیا لیڈر بغل ، جلسے میں کل
مانگ کر لایا جو تھا تقریر ، کوئی لے اُڑا!

گھر بلایا تھا انہیں کھانے پہ ، ساتھ آئے رقیب
لے اُڑا چمچہ کوئی ، کفگیر کوئی لے اُڑا

باندھتے ہی رہ گئے ہم اُس کی تعریفوں کے پُل
شعر ہم کہتے رہے ، تفسیر کوئی لے اُڑا



دَر پر نہیں ہوں میں ترے دائم پڑا ہوا
پھر کیوں مجھے اٹھانے پہ ہے تو اَڑا ہوا

کردار آپ کا میں کروں کس طرح بیاں
دیوار کا ہو جیسے پلستر جھڑا ہوا

اپنے ظروفِ آب ملیں اب کتاب میں
لوٹا ہوا ، صراحی ہوئی یا گھڑا ہوا

نادانیاں مری مجھے گنوا رہے تھے وہ
میں شرم سے زمیں میں تھا آدھا گڑا ہوا

بچپن کی دل لگی کا یہ انجام دیکھیے
پیری نے آ لیا انہیں ، جب میں بڑا ہوا!



تمہاری بے وفائی کا میں غم کھاتا تو مر جاتا
اگر چاہت میں مرنے کی قسم کھاتا تو مر جاتا

لگا رکھا ہے پہلو سے عدو کو آپ نے ورنہ
زمانے کے اگر وہ زیر و بم کھاتا تو مر جاتا

یہ میرا ہی جگر تھا سہہ لیا تیرِ نظر میں نے
یہی شہزادۂ ملکِ عجم کھاتا تو مر جاتا

اُسی کی دلبری سے قیس کچھ دن جی لیا ورنہ
وہ لیلیٰ کے اگر تیرِ ستم کھاتا تو مر جاتا

صحت کا راز مجھ سے پوچھتا ہے کس لیے ہمدم
جو تو میری طرح رنج و اَلم کھاتا تو مر جاتا



تمہارے دل میں کس نے خوف میرا اس قدر ڈالا
لگایا تم نے اِک تالا اِدھر اور اِک اُدھر ڈالا

مجھے اُٹھوا کے محفل سے کہا میرے ستمگر نے
جو کرنا ہے کرو ، ہم کو جو کرنا تھا وہ کر ڈالا

میں ان سے پوچھتا تھا راستہ تیرے ٹھکانے کا
رقیبوں نے مگر مجھ کو نہ جانے کس ڈگر ڈالا

نمٹنا پڑ گیا مجھ کو تمہارے رشتہ داروں سے
یہ کس جنجال میں تم نے مجھے جانِ جگر ڈالا

نہ پلٹیں وہ کئی دن تک جو میکے سے تو پھر ہم نے
کہلوایا کچھ اوروں سے ، کچھ اپنا بھی اثر ڈالا!



دیکھا نہ کیجیے مجھے عطار کی طرح
لگتا ہوں کیا میں آپ کو بیمار کی طرح؟

آپس میں دل بدلنے کو اُن سے کہا تو ہے
انکار کر رہے ہیں وہ اقرار کی طرح

آیا تھا میکدے میں بڑی شان سے عدو
پہلے ہی دور میں ہوا لاچار کی طرح

اُلفت بھری نگاہ میں ڈالوں تو وہ مجھے
لگتا ہے دیکھنے کسی خونخوار کی طرح

خوش بخت یوں تو رہتا ہوں دن رات میں مگر
بیٹھا ہوں بزمِ یار میں ادبار کی طرح



آ کر مری آنکھوں کو ذرا دیکھ ستمگر
ہیں تیری محبت میں ابھی خشک ، ابھی تر!

قاصد بھی ہے پیغام رسانی سے گریزاں
آنکھوں کو ہے طوطے کی طرح پھیرے کبوتر

بدلے میں وفا کے مجھے کیا دو گے ، بتا دو
یہ فیصلہ ہو جائے ابھی اور یہیں پر

پوچھا کہ عدو لینے کو آتا ہے بھلا کیا
منہ پھیر کے غصے سے وہ کہتے ہیں ''ترا سر!''

میخانوں میں اعمال کی ہو کیوں نہ درستی
ناصح کو ملے قوتِ گویائی وہیں پر!

پہلی دفعہ جس کنج میں وہ ہم سے ملے تھے
ملتے ہیں وہیں اب وہ رقیبوں سے برابر

ہم اُن کی گلی جان لٹانے کو جو پہنچے
بولے ''ہمیں بدنام نہ کر ، اور کہیں مر!''

تُو کس لیے ٹالے ہے بھلا کل پہ مرا کام
گر قتل ہی کرنا ہے تو کر آج ، ابھی کر!



کرتے ہیں اس طرح وہ مرے دل سے چھیڑ چھاڑ
قاتل کرے ہے جس طرح بسمل سے چھیڑ چھاڑ!

لہروں میں جن کو جان کے لالے پڑے رہے
ساحل پہ آ گئے ہیں تو ساحل سے چھیڑ چھاڑ!

وہ گُل ، خزاں نصیب ، جہنم رسید ہو
گلشن میں جس نے کی ہے ترے تل سے چھیڑ چھاڑ

لیلیٰ کی دید کے لیے بادِ سموم بھی
کرتی ہے بڑھ کے پردۂ محمل سے چھیڑ چھاڑ

لگتا نہیں ہوں منہ ، میں رقیبوں کے ، ان دنوں
یہ عمر ہو تو ہوتی ہے مشکل سے چھیڑ چھاڑ!

خود ہی مجھے وہ بھیج کے زنداں میں ، کہہ اٹھے
کس سلسلے میں ہے یہ سلاسل سے چھیڑ چھاڑ؟!

فطرت میں چھیڑ چھاڑ ہے شوکتؔ کی اس قدر
مقتل میں ہے تو خنجرِ قاتل سے چھیڑ چھاڑ



الجھے رہے جو آپ ہم ، شکووں ، گلوں کے جال میں
گزرے گی شب یہ وصل کی ، ایسی ہی قیل و قال میں

کچھ تو سبب ہے جو مجھے ، آتی ہے چھینک رات دن
رہتے ہیں آپ ہر گھڑی ، شاید مرے خیال میں!

خنجر بکف وہ ڈھونڈتے پھرتے تو ہیں مجھے مگر
تیرِ نظر سے جاں بہ لب ، داخل ہوں اسپتال میں!

میکے گئیں جو اہلیہ ، تو ہم پہ راز یہ کھلا
جتنا ہے لطف ہجر میں ، اُتنا کہاں وصال میں!

ہیں بس عدو پہ کس لیے ، یہ آپ کی عنایتیں
کوئی کمی ہے اس طرف ، شوکتؔ میں یا جمالؔ میں؟!



رہتے ہیں آج کل وہ ہمارے پڑوس میں
سو آگئے رقیب بھی سارے پڑوس میں!

ان کے سبب ہیں ، چاند ستارے پڑوس میں
پہلے نہ تھے یہ خوب نظارے پڑوس میں

اُڑتی تھی خاک جن کے سروں پر یہاں سدا
پھرتے ہیں اب وہ بال سنوارے ، پڑوس میں

آواز دے کے ہم کو وہ گھر میں بلائے ہے
خود ہی مدد کو پھر وہ پکارے پڑوس میں!

اُس کو خبر ابھی یہ ملی بھی ہے یا نہیں
رہتے ہیں شیخ جی بھی بچارے پڑوس میں!

کہنے کو پارسا بھی ہیں ، ناصح بھی ہیں یہاں
سب ہیں نگاہِ ناز کے مارے پڑوس میں

فرصت کہاں اُسے کہ وہ دیکھے یہ بام سے
کتنے ہیں دستِ شوق پسارے پڑوس میں



نظروں سے گر پڑا ہوں
در پر مگر کھڑا ہوں

کر کے انہیں میں رسوا
خود شرم سے گڑا ہوں

وہ عمر میں بڑی ہیں
رشتے میں ، میں بڑا ہوں!

موجِ چناب ہیں وہ
مٹی کا میں گھڑا ہوں

جب سے گئیں وہ میکے
''شادی شدہ چَھڑا'' ہوں



کمر باندھے ہوئے جانے کو کوئے یار بیٹھا ہوں
رقیب آ گے گیا ہے اور میں تیار بیٹھا ہوں

''نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی''
ابھی بیگم سے کر کے جوتم و پیزار بیٹھا ہوں

ملاوٹ کا اثر ہے یہ کہ دلبر تیری آنکھوں سے
مسلسل پی رہا ہوں اور میں ہشیار بیٹھا ہوں!

میں سرکاری ملازم ہوں ، یہی ہے نوکری میری
کہ دفتر آ گیا ہوں میں ، مگر بیکار بیٹھا ہوں

کبابِ سیخ لینے کو وہ نکلے ہیں ، اِسی خاطر
لگا کر دل جگر اپنا ، سرِ بازار بیٹھا ہوں



مصور کی ذرا بھی کام تدبیریں نہیں آئیں
جو اُن کے ساتھ کھنچوائیں ، وہ تصویریں نہیں آئیں

کھٹکتی ہے ہماری آنکھ کی لغزش تمہیں لیکن
نظر اپنی ہی آنکھوں کی ، وہ تقصیریں نہیں آئیں

کبھی جو پڑھ کے ہم عشق و وفا کی داستاں سوئے
تو آئے خواب میں رانجھے مگر ہیریں نہیں آئیں!

زیاں یہ بھی ہوا جب سے جوانی ہم سے روٹھی ہے
کہ گھر سے بھی حنا آلود تحریریں نہیں آئیں!

بچھاتے فرشِ مخمل ہم حسیں پیروں تلے لیکن
وراثت میں ہمارے نام جاگیریں نہیں آئیں



درد دل اس کو دیا سینے میں جس کے دل نہیں
تم اِدھر تو دیکھتے ، کیا میں کسی قابل نہیں؟

ہو رقیبوں پر تم اتنے مہرباں کہ بزم میں
میں بھی ہوں موجود لیکن بزم میں شامل نہیں

بیچ دریا میں مجھے خشکی سی جو آئی نظر
دیکھیے قسمت کہ وہ گھڑیال تھا ساحل نہیں!

مار ڈالا ہے مجھے اس نے اداؤں سے مگر
دل یہی کہتا ہے وہ نادان ہے قاتل نہیں!

اپنے در سے اس نے یہ کہہ کر مجھے اٹھوا دیا
تو یہاں مت ڈال لنگر ، یہ تری منزل نہیں



عدو اس بزم میں جائیں تو جا کر جم ہی جاتے ہیں
ادھر ہم ہیں ، تکلف میں وہاں کم کم ہی جاتے ہیں

خوشی سے دل اچھلتا ہے مگر ہم ان سے ملنے کو
لیے مسکین سی صورت بچشم نم ہی جاتے ہیں

یہ ان کی سرد مہری کا نتیجہ ہے کہ گرمی میں
مری ، نتھیا گلی ہم چھوڑ کر جہلم ہی جاتے ہیں

اٹھیں نہ انگلیاں ان پر ہمارے آنے جانے سے
اسی خاطر وہاں ہم بن کے ابن العم ہی جاتے ہیں!

وہ اتنی دیر کر دیتے ہیں سجنے اور سنورنے میں
کہ شادی کے بلاوے میں پس ماتم ہی جاتے ہیں!

ہوئے اسکول کے بچوں کو ازبر نت نئے نغمے
وہاں جیسے یہ بچے سیکھنے سرگم ہی جاتے ہیں

شب فرقت کو شاعر کیوں نہ دے تشبیہ زلفوں سے
نہ جاتی ہے یہ طولانی ، نہ پیچ وخم ہی جاتے ہیں



ہے زلفِ سیہ فام کے بارے میں شنیدہ
پانی بھی نہ مانگے ہے کبھی مارگزیدہ

تم آئے ہو تجدیدِ مراسم کے لیے جب
ہے ہاتھ میں رعشہ مرے اور پشت خمیدہ

غیروں کو کھلاتے ہو سدا مرغ مسلم
آگے مرے رکھتے ہو مگر خشک ملیدہ!

کوچے میں تمہارے جو ہوا حال ہمارا
تاریخِ محبت میں نہ دیدہ ، نہ شنیدہ

کھولی ہے محلے میں دکاں اس نے پھلوں کی
لایا ہوں وہیں سے میں یہ انگور کشیدہ!



بیوی ، میاں کو جب سے دکھانے لگی ہے آنکھ
تفریق مرد و زن میں ، مٹانے لگی ہے آنکھ

ٹیلی وژن نے عقل کو بخشی ہے روشنی
یہ بھی ہوا کہ اس سے ٹھکانے لگی ہے آنکھ!

آنکھوں میں اُس کی جا کے سماؤں میں کس طرح
میری رگوں میں جس کی سمانے لگی ہے آنکھ

منہ سے تو کہہ رہے ہیں کہ بیٹھے رہو ، مگر
محفل سے مجھ کو ان کی ، اٹھانے لگی ہے آنکھ!

نزدیک آ رہے ہیں زمانے وصال کے
مشکل یہ آ پڑی ہے کہ آنے لگی ہے آنکھ!



دروازے پہ میرے جو لگی یار کی تختی
جلتی ہے اسے دیکھ کے اغیار کی تختی

جن عشق کا بچپن ہی میں جاتا ترے سر سے
پڑتی جو اے مجنوں تجھے دو چار کی تختی

رنگینیِ دل دیکھیے ، دل جس کو دیا وہ
بولا کہ ''میاں دل ہے یا فنکار کی تختی؟''

پوچھے وہ مرا حال تو سرہانے سے یارو
دے دینا اٹھا کر اسے بیمار کی تختی

افسر وہ بنے ہارٹی کلچر کے ہیں جب سے
اس دن سے لگی بنگلے پہ اشجار کی تختی

مارے مجھے سیلوٹ ٹریفک کا سپاہی
دیکھے جو مری کار پہ سرکار کی تختی

ماتھے کو مرے دیکھ لے جی بھر کے وہ شوکتؔ
دیکھی نہ ہو جس نے کبھی ہشیار کی تختی!



رقیبوں کو ذرا رنج و الم سہنے نہیں دیتے
حضورِ حسن کیوں ہم کو پڑا رہنے نہیں دیتے

بٹھا کر سامنے ، سنتے ہو قصے قیس و رانجھا کے
مگر جو میرے دل میں ہے ، مجھے کہنے نہیں دیتے

جسے دیکھو لیے آتا ہے پھولوں کا ہی گلدستہ
اکہتر واں برس لگنے پہ کیا ، گہنے نہیں دیتے ؟!

بلاتے ہو ہمیں ملنے کنارے تم سمندر کے
مگر جذبات میں ہم کو کبھی بہنے نہیں دیتے

سنا ہے ، خوف سے راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتے ہو
اکیلے ہو ، تو ہم کو ساتھ کیوں رہنے نہیں دیتے ؟!



مدت ہوئی مجھے ترے در پر کھڑے کھڑے
کب ہو کہ میری سمت بھی تیری نظر پڑے

میکے سے جا کے ان کو میں لاؤں کہ چھوڑ دوں
میرے دل و دماغ ، اسی بات پر لڑے!

دینے تمہیں گیا تھا جو باغِ وفا کے پھول
اس باغباں کو تم نے نکالا کھڑے کھڑے

نسبت کچھ اس قدر ہمیں گل اور شجر سے ہے
اب کے خزاں میں دانت ہمارے بھی دو جھڑے!

کل میکدے میں ''سیل'' کا منظر عجیب تھا
زاہد بھی تھے سَروں پہ اٹھائے ہوئے گھڑے



ہمیشہ بچ کے رہتے ہیں ہم افسر کی اگاڑی سے
مناسب فاصلہ رکھتے ہیں گھوڑے کی پچھاڑی سے

وفاداری کے سارے گُر انہیں آتے تو ہیں لیکن
ہمارے مسئلے پر ہی ، وہ بنتے ہیں اناڑی سے

ہمارا دل جگر اس نے یہ کہہ کر ہم کو لوٹایا
اٹھا لائے ہو یہ سب تم کہاں سے ، کس کباڑی سے؟

گوارا ہو نہ دل میرے مقابل ہارنا جس کو
کوئی کھیلے تو کیا کھیلے بھلا ایسے کھلاڑی سے

غزل سن کر مری بولے ، عجب ہے قافیہ اس کا
خدا محفوظ رکھے شاعری کو اس اناڑی سے



یہ کیسا عشق ہے، عاشق پڑا دن رات سوتا ہے
نہ آہِ سرد بھرتا ہے، نہ گاتا ہے، نہ روتا ہے

کہاوت ہے یہ اردو اور پنجابی زبانوں میں
جو جاگے ہے سو پاوے ہے، جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے!

اٹھاتا ہے زمانہ انگلیاں بس اس لیے مجھ پر
مری چائے میں وہ شیریں بدن انگلی ڈبوتا ہے!

عجب انداز سے مجھ کو اٹھاتا ہے وہ محفل سے
زباں سے کچھ نہیں کہتا ہے ، بس کہنی چبھوتا ہے!

ڈبویا ہے سمندر میں مجھے یہ کہہ کے یاروں نے
وہی نایاب گوہر ہے جو گہرائی میں ہوتا ہے!



یہ کیا بیٹھے بٹھائے آپ کو خفقان ہوتا ہے
بھلا اپنوں سے بھی ایسے کوئی انجان ہوتا ہے؟

عدو کے ساتھ یہ قربت ، کبھی سوچا بھی ہے تم نے
کہ اوروں کے دلوں میں بھی یہی ارمان ہوتا ہے!

ہمارے گھر کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے ، جب کوئی
یہاں سسرال سے آیا ہوا مہمان ہوتا ہے

نئے پہلو نکلتے ہیں ، نئی اک فلم بنتی ہے
کوئی زردار ، ہیروئن پہ جب قربان ہوتا ہے

نہ جاتا ہاتھ سے یہ دل ، مگر تم نے سنا ہوگا
مروّت میں ، تکلف میں ، سدا نقصان ہوتا ہے



نقاب چہرے سے ہٹ رہا ہے
دھیان شاعر کا بٹ رہا ہے

تمہاری عمرِ رواں کے صدقے
ہجوم اغیار چھٹ رہا ہے

رقیب پھیلا رہا ہے پاؤں
ہمارا بستر سمٹ رہا ہے!

جلا کے دل بھی سکوں نہیں ہے
الٹ رہا ہے ، پلٹ رہا ہے!

تمہاری فرقت میں عید کا دن
گویا کہ روزہ ہے ، کٹ رہا ہے!



کس مصیبت میں ہے میری جان اٹکی دیکھیے
بے وفا کی ، دل سے ہے تصویر سٹکی ، دیکھیے !

عقد ثانی کر نہ لوں ، جو رہ گئیں میکے میں آپ
بھر نہ جائے صبر کی میرے یہ مٹکی ، دیکھیے

موتیوں کو لوٹنے لپکا ہر اک پیر و جواں
زلف اس نے جب نہا کے آج جھٹکی ، دیکھیے

ہم نے جو انگشتری بھیجی تھی اس دلدار کو
اس نے خود آ کر ہمارے منہ پہ پٹکی ، دیکھیے

مار کر مجھ کو وہ سمجھا ، ہو گیا قصہ تمام
روح میری پھر اسی کے گھر میں بھٹکی ، دیکھیے



کچھ بات میری ان سے چلائی گئی تو ہے
فوٹو کسی بہانے دکھائی گئی تو ہے

ٹیڑھی سہی ، ہے کشف و کرامات کی امید
کچھ پڑھ کے ان کو کھیر کھلائی گئی تو ہے

فتنہ گری بھری ہے عدو کے مزاج میں
سو ٹانگ اس دفعہ بھی اڑائی گئی تو ہے

آئیں نہ آئیں آپ ، مگر انتظار کی
شب دیگ میرے گھر میں چڑھائی گئی تو ہے

تشنہ لبی کے ذکر پہ بولے کہ چپ رہو
تم کو ابھی نظر سے پلائی گئی تو ہے!



جا کر وہ دشمنوں سے مرے مل ملا گئے
صدمے سے دل ، دماغ ، جگر بلبلا گئے

شادی سے اب فرار کی صورت کہاں رہی
جوڑے سنا ہے ان کے بھی سب ''سِل سلا'' گئے

رخسار و زلف و لب کی وہ سنتے رہے صفات
تل کا ہوا جو ذکر تو وہ تلملا گئے

میرا بھی اس بہار میں کچھ کیجیے حضور
اوروں کے دل کے پھول تو سب ''کھل کھلا'' گئے

بیٹھے رہے وہ غیر کی محفل میں رات بھر
ہم انتظار ہی میں پڑے پلپلا گئے!



نہ یہ لتا کے لیے ہے نہ ریشماں کے لیے
مری غزل ہے فقط میرے قدرداں کے لیے

چکا تو دیں ترا قرضہ ، جو ہم رہے نہ یہاں
رہے گا کیا یہ بتا یادِ رفتگاں کے لیے!

بیاہ شادی کے کالم پہ شیخ کی ہے نظر
ہو انتظام تو کچھ وقت ناگہاں کے لیے!

خلال کرنے کو ، اس کو جب اور کچھ نہ ملا
تو چار تنکے جو پائے تھے آشیاں کے ، لیے!

مکاں کرائے پہ دے کر جو لوگ خوش تھے بہت
عدالتوں میں ہیں وہ لوگ اب مکاں کے لیے



میں رہنے آ گیا سسرال میں ، میرا ارادہ ہے
یہ دیکھوں میں کہ میری قدر کس گھر میں زیادہ ہے

کہا بیگم نے چائے بدمزہ تم نے بنائی ہے
بچا ان سے میں یہ کہہ کر کہ پتی میں برادہ ہے

تمہیں معصوم لگتا ہے بہت میرا عدو لیکن
جو سچ پوچھو تو بھولا ہے ، نہ سیدھا ہے ، نہ سادہ ہے

مجھے ملنے جب آتے ہو ، کسی کو ساتھ لاتے ہو
محبت میں یہ ہشیاری ضرورت سے زیادہ ہے

مرے دیوالیہ پن کو نہ اتنی اہمیت دینا
ہوا ہے ہاتھ میرا تنگ لیکن دل کشادہ ہے

بھلا کیسے چلیں ہمراہ دونوں دشتِ الفت میں
کہ لیلیٰ اونٹ پر بیٹھی ہے اور مجنوں پیادہ ہے!

مہکتی زلف کا ، جھمکوں کا ، پیچھا کیجیے بے شک
مگر تحقیق لازم ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ ہے!



رفتہ رفتہ سب مری چوکھٹ پہ درباں ہو گئے
پہلے 'ناں' پھر' ہاں میں ہاں' پھر 'ہاں جی ہاں ہاں' ہو گئے!

آگے آگے جو رہا کرتے تھے ہر تحریک میں
حقہ اور ٹوپی لیے وہ میرے مہماں ہوگئے!

ڈنڈ بیٹھک پیلتے تھے جو اکھاڑوں میں کبھی
پہلوانی چھوڑ کر وہ گل بداماں ہوگئے

گھومتے پھرتے تھے جو مانند لٹو ہر طرف
اب وہ پیندے کی طرح لوٹے پہ چسپاں ہوگئے

یہ تعاون کی وبا کیسی چلی ہے ہر طرف
دشمن جاں بھی ہماری جاں پہ قرباں ہوگئے



دس کے بجنے میں دس منٹ باقی
اس قدر دیر ؟ جام لا ساقی!

دن کو پھر آ ملے ہیں وہ ہم سے
رات بھر کی ہی تھی وہ ناچاقی

حرکتیں جو رقیب کرتا ہے
ہم کریں جب تو غیر اخلاقی

ملنا جلنا وہی رہا لیکن
بات پہلی سی اب نہیں باقی

دل کے جانے کا ذکر مت پوچھو
دن دہاڑے ہوئی یہ قزاقی

چاند بن کر جو گھر میں اترے تھے
بن گئے وہ بلائے آفاقی

عشق میں منہ کے بل گرے شوکتؔ
سب دھری رہ گئی ہے مشّاقی



آپ مت ہر اجنبی کو خواب میں دیکھا کریں
میں تو ہوں نا ، بس مجھی کو خواب میں دیکھا کریں

حکم قاضی سے جہاں پینا پلانا بند ہو
رند بزمِ مے کشی کو خواب میں دیکھا کریں

آپ کی آنکھوں کو دن میں دیکھ لیں جو پارسا
آپ کی ساقی گری کو خواب میں دیکھا کریں

طے کیا آپس کی ہم نے رنجشوں کو دیکھ کر
التفاتِ باہمی کو خواب میں دیکھا کریں



محفل میں سوگوار، غموں سے نہ چور بیٹھ
بیٹھا ہے گر عدو تو ذرا ہو کے دور بیٹھ

تیرے سوا ہیں چاہنے والے اسے کئی
غصے سے ایک ایک کی جانب نہ گھور ، بیٹھ

کرسی کی تین ٹانگیں ہیں ٹوٹی ہوئی تو ہوں
کرسی نہ چھوڑ ، کچھ بھی ہو اس پر ضرور بیٹھ

آیا ہے میکدے میں تو ہوش و حواس رکھ
آداب کی حدوں کو نہ کر تُو عبور، بیٹھ

شوکتؔ تجھے کن انکھیوں سے دیکھے ہے وہ اگر
اتنی سی بات پر نہ کر اتنا غرور ، بیٹھ



جھکیں شرم سے کیوں نہ ساری یہ مونچھیں
مقابل اگر ہوں تمہاری یہ مونچھیں

ہمیں دیکھنے آئیں تھیں بیبیاں کل
لگی ہیں انہیں اشتہاری یہ مونچھیں!

اٹھا لے گیا ہے عدو ان کی ڈولی
لیے رہ گئے ہم بچاری یہ مونچھیں

نہ تھی یہ ملاقات کی شرط لیکن
محبت میں ہم نے ہی واری یہ مونچھیں

عجب خواب دیکھا ہے کل رات ہم نے
ترا ہاتھ ہے اور ہماری یہ مونچھیں!



ان کے گھر جب میرے گھر والے گئے پچھلے دنوں
ہائے دروازے سے ہی ٹالے گئے پچھلے دنوں

گھر میں میری ساس کے دو بھائی ہیں ٹھہرے ہوئے
رہ کے اک عرصہ مرے سالے گئے پچھلے دنوں

دیکھ کر تجھ کو عدو کے ساتھ ، میری آنکھ میں
خون اترا ، آنکھ کے جالے گئے پچھلے دنوں

منتظر ہوں اس طرف سے آئے گا کوئی جواب
بام تک اس کے مرے نالے گئے پچھلے دنوں

سوچ میں وہ ہیں ابھی تک ہاں کہیں یا ناں کہیں
ووٹ گرچہ ملک میں ڈالے گئے پچھلے دنوں

اگ رہا ہے اب تو سبزہ یار کے رخسار پر
گال جو تھے روئی کے گالے، گئے پچھلے دنوں

یاد ہے پچھلے دنوں کی ، باعث شرمندگی
شوق بھی کیا کیا تھے جو پالے گئے پچھلے دنوں



فوٹو رکھی تھی ہم نے جو بستر کے بیچ میں
زیرِ بحث ہے آج وہ گھر بھر کے بیچ میں

دل شیخ جی کا دیکھ لو اب تک ہے نوجواں
ہے عمر گرچہ ساٹھ یا ستر کے بیچ میں

بحرین جا کے ملتے ہیں اب وہ رقیب سے
رستہ جو بن گیا ہے سمندر کے بیچ میں

مل مل کے تجھ سے عید ، پلٹ آئے سب مگر
ہم ہیں کہ پھنس گئے ہیں ترے در کے بیچ میں!

''پھرتی ہیں ساس خوار کوئی پوچھتا نہیں''
کہتے تھے مت پڑو زن و شوہر کے بیچ میں



وہ جھروکے میں بے نقاب آئے
وسوسے دل میں بے حساب آئے

آستیں میں جو لے گئے خنجر
امتحاں میں وہ کامیاب آئے

ان پہ پڑتی ہے بس نظر تیری
جو لگا کر یہاں خضاب آئے

خواب دیکھوں تو نیند اُڑتی ہے
نیند آئے اگر تو خواب آئے!

اپنی حالت پر جب ہنسی آئی
اشک آنکھوں میں بے حساب آئے

ہجر کی ہڈیاں بھی ساتھ آئیں
وصل کے گر کبھی کباب آئے

''آج صاحب ذرا ہیں میٹنگ میں''
بس ٹکا سا یہی جواب آئے

اس نے مردے گڑے اکھاڑے تھے
وصل کی شب گئے تو داب آئے



ناصح! کبھی ٹی وی میں جو خاتون کرے رقص
تو کس لیے آنکھوں میں تری، خون کرے رقص

چھوٹا ہے گھڑا ''پاپ'' کا جب سے تو یہ دیکھا
شلوار ہے ٹھمکے کبھی پتلون کرے رقص

عطار مجھے دھوکے سے کیا رات چٹایا
میرے رگ و پے میں ترا معجون کرے رقص

وہ ماہِ دسمبر میں جو آ بیٹھے برابر
آنکھوں میں مئی اور کبھی جون کرے رقص

اے مدّعی مانا کہ نچائے تجھے قانون
خود بھی تو اشاروں پہ ہے قانون کرے رقص

قطعات

داشتہ آید بکار

ہیں اگر وہ آج کل اکھڑے ہوئے تو کیا ہوا
ان کی فرقت میں ہمارا دل نہیں ہے بے قرار
احتیاطاً دوستی اوروں سے ہے رکھی ہوئی
کہنے والے کہہ گئے ہیں ''داشتہ آید بکار!''

چاک گریباں

راہوں میں الجھتے ہیں کئی ہم سے شب و روز
اس دل میں مگر جھانکنے والا نہیں ملتا
ملتے ہیں ہزاروں ہی بٹن توڑنے والے
پر کوئی بٹن ٹانکنے والا نہیں ملتا!

واسطہ

بتاؤں کس طریقے سے وہ کل آلام سے چھوٹا
پڑی مشکل تو اس مشکل سے کس کے نام سے چھوٹا
خدا کے نام پر دل مہ جبیں کا مانگتا تھا میں
خدا کا واسطہ دے کر وہ میرے دام سے چھوٹا

تمنّا

گلہ اللہ سے بوڑھے نحیف و ناتواں کا ہے
یہ مجبوری ، یہ لاچاری نہیں دیتا تو کیا ہوتا
پچاسی سال کم از کم جواں رکھتا تو بندے کو
جوانی میں ہی پھر اس کو اٹھا لیتا تو کیا ہوتا

بھائی

بھری محفل میں اک خاتون یہ کہنے لگیں ہم سے
مجھے لگتا ہے قسمت نے ہمیں پہلے ملایا تھا
کہا سن کر یہ بیگم نے، بجا کہتی ہو تم بی بی
ابھی پچھلے برس تم نے انہیں بھائی بنایا تھا

فرض شناسی

مری گاڑی ہوئی چوری تو میں دربان پر برسا
ترے ہی سامنے چوری ہوئی اور کچھ نہ کر پایا؟
تھما کر ہاتھ میں پرچی وہ بولا ، لیجیے صاحب
تعاقب کر کے گاڑی کا میں نمبر نوٹ کر لایا!

بے سرے

دیکھ کر ٹی وی پہ اتنے بے سرے
دل ہمارا رنج و غم سے پھٹ گیا
یوں لگا حرص و ہوس کے دور میں
قوم کا معیار فن بھی گھٹ گیا

پاپوش

سنا ہے بزم میں ان کی علاج عشق ہوتا ہے
دوا بیتابی دل کی وہیں ملتی ہے محفل میں
مگر میں جب بھی جاتا ہوں تو اتنی بھیڑ ہوتی ہے
جگہ جوتوں کی صف میں بھی نہیں ملتی ہے محفل میں

تسلی

عید کا دن طے کیا تھا اس نے ملنے کے لیے
عید آئی تو شتابی سے میں پہنچا اس کے گھر
اس نے دروازے سے یہ کہہ کر مجھے لوٹا دیا
’’عید اگلے سال بھی تو آئے گی پھر لوٹ کر!‘‘

تردّد

عاجز ہیں حرکتوں سے ہم اپنے رقیب کی
دل میں ہمارے ہے کہ اسے زندہ گاڑ دیں
ڈر ہسپتال والوں سے لگتا ہے یہ فقط
پھانسی کے بعد ہم کو نہ وہ چیر پھاڑ دیں!

دو بھائی

بہوت دن پر ملا بہوا جو رستے میں تو ہم پوچھا
بیاہ شادی کئے ہے رے ، تو لڑکن تے کوکے ٹھوہیں
کہس کی کاکریں بھیا بہوت بچ بچ کے چلتے ہیں
اسی چلتے تو ہم کو بس ابھی للوا کے جے ٹھو ہیں

شاپنگ

بیگم کے ہیں ، جو میں نے اٹھائے ہیں یہ تھیلے
اپنا انہیں کہنے کو میں تیار نہیں ہوں
بل میں نے دکانوں پہ چکائے تو ہیں بے شک
''بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!''

تاک جھانک

کہا بیگم سے میں نے سن رسیدہ ہو کے ڈرتی ہو
رقیب روسیہ گر جھانکتا ہے جھانک لینے دو
نہیں تھا چاند کا ٹکڑا بچارے کے نصیبوں میں
کم از چاند کی مٹی تو اس کو پھانک لینے دو!

اے ہم جلیس !

یاد ہے، شادی ولیمے میں کبھی یہ میزباں
خوانِ نعمت پیش کرتے تھے ہر اک مہمان کو
اب ترستے ہیں اگر جائیں کسی تقریب میں
ایک پیالی چائے کو اور ایک کِھلی پان کو

فیملی افیئر

شاعر کا ایک ہاتھ پلستر میں دیکھ کر
پوچھا کہ کیا ہوا جو یہ بازو اکھڑ گیا
کہنے لگے کہ ہیں مری بیگم بھی شاعرہ
آپس میں شب کو شعر کا مضمون لڑ گیا!

سسرے کا ناتی

بگاڑس اپنی بولی کو علی گڑھ جا کے پھوکٹ میں
کہے ہے بھات کو خشکہ تو رومالی ، چپاتی کو
نریٹی چیپ دیں گے ہم ، کِہس ہم سے اگر گٹ پٹ
ذرا آوے تو دو پٹنہ مرے سسرے کے ناتی کو

غلط فہمی

یہی پوچھا تھا میں نے بس ، مجھے اتنا تو بتلاؤ
تمہارے دل پہ بھی ، میری محبت کا لگا گھاؤ؟
مجھے فوراً ہی محفل سے یہ کہہ کر اس نے اٹھوایا
''غلط فہمی ہوئی تم کو ، چلو نکلو ہوا کھاؤ!''

فائیو اسٹار

ہوٹل سے کسی پانچ ستارے کے جو گزرا
بولا یہ مرا دل کہ ڈنر کھا کے ذرا دیکھ
نیت کو مری بھانپ کے کہنے لگا دربان
''دامن کو ذرا دیکھ ، ذرا بندِ قبا دیکھ''

خوش فہمی

مرے شوہر بڑے بھولے ، بہت ہی نیک خصلت ہیں
نہ جانے اپنے ابا پر کہ دادا پر گئے ہیں وہ
یہاں ہوتے اگر تو آپ ان سے مل کے خوش ہوتے
ابھی کچھ دیر پہلے ''تیسری'' کے گھر گئے ہیں وہ

قوم کا غم

انہیں مل جائے گر فرصت ذرا سی
تو کر دیں دور چہروں سے اداسی
مگر فی الحال ہیں خود ہی پریشاں
اٹھے ہیں دن چڑھے لیتے اباسی

وصال

مرنا بھی ہے وصال تو قربت بھی ہے وصال
ایسی ہی یہ مثال ہے لفظوں کے جال کی
نقلِ مکاں کی دی تھی کل اخبار میں خبر
دیکھا تو چھپ گئی ہے خبر انتقال کی!

مشتری ہشیار باش

دل ہمارا اس قدر قابو سے باہر ہو گیا
ہم کو اس کی حرکتوں پر خود حیا آنے لگی
گل عذاروں کی گلی پہنچے جو اس کو بیچنے
''مشتری ہشیار ہو جا'' کی صدا آنے لگی

لوڈ شیڈنگ

بلایا تو ہے اپنے گھر ، مگر یہ شرط ہے ان کی
وہاں بیٹھیں گے ہم دونوں ، جہاں کچھ روشنی ہو گی
بھلا ہو بجلی والوں کا ، چھپا ہے آج یہ نوٹس
وہ جس کوچے میں رہتے ہیں ، وہاں بجلی گئی ہو گی!

حسرتِ دید

لے لیا وعدہ بالآخر میں نے ان سے دید کا
ایک مشکل حل ہوئی ، حائل مگر دوجی ہوئی
کھا لیا سوجی کا حلوہ سرخوشی میں رات کو
سوکے میں اٹھا تو میری آنکھ تھی سوجی ہوئی!

بالوں کا معاملہ

تفریقِ مرد و زن پہ لکھی اک کتاب میں
آتا ہے اک مقام پہ بالوں کا ذکر بھی
عورت کو بس یہ غم کہ سفیدی عیاں نہ ہو
اور مرد کو ہے بال کے جھڑنے کی فکر بھی!

تحفہ

شکایت کی نئی شادی شدہ نے اپنے شوہر سے
کہ پہلے کی طرح تم اب مجھے تحفہ نہیں دیتے
کہا شوہر نے ، تم کو یہ سمجھ میں کیوں نہیں آتا
جب آئے جال میں مچھلی تو پھر چارہ نہیں دیتے!

مائی سسٹر

ہوائی ہوسٹس سے یہ کہا جب اک مسافر نے
سنیں سسٹر! اگر زحمت نہ ہو پانی پلا دیجے
جواب آیا ابھی میں آپ کو ''پانی پلاتی'' ہوں
مگر سسٹر ہوں کس رشتے سے میں ، پہلے بتا دیجے!

شکستِ آرزو

ہر فرد اس کے گھر کا مرے ساتھ ساتھ تھا
جذبات ہو رہے تھے میرے لوٹ پوٹ سے
لڑکی نے رائے دی تو وہ میرے خلاف تھی
ہارا ہوں انتخاب فقط ایک ووٹ سے!

جوڑتوڑ

لڑکے کے واسطے ہے دلہن کی جنہیں تلاش
رہتے ہیں فکر میں وہ اسی جوڑ توڑ کے
لڑکی میں گُن ہوں لاکھ ، کوئی دیکھتا نہیں
دیکھو کہ والدین ہیں کتنے کروڑ کے!

باربر

گھڑی بھر میں بدلتی ہیں نگاہیں
گلہ ہے باربر کو اس جہاں سے
کترواکے جو زلفیں کل گئے تھے
وہ گزرے آج کترا کے دکاں سے

گورے

بولے وہ مجھ سے سَر میں سماتی نہیں یہ بات
دیکھے ہیں ہم نے ایسے بھی گورے کمال کے
انگریز ہو کے کورے ہیں انگلش زبان میں
جتنے بھی طفل آئے ، نظر ایک سال کے!

میزبانی

نئے شادی شدہ اک دوست کے گھر میزبانی کا
نیا انداز دیکھا ہے ، بھلا کیسے بھلائیں گے
ابھی بیٹھا ہی تھا جا کر کہ اندر سے صدا آئی
'یہ گھر سے کھا کر آئے ہیں کہ واپس جا کے کھائیں گے؟!'

خوشخبری

میاں نے آ کے خوشخبری سنائی جب یہ بیگم کو
کہ اپنی زندگی کا آج ہم بیمہ کرا لائے
کہا بیگم نے ، ''یہ تم نے بہت اچھا کیا لیکن
خوشی تو ہے وہی سچی کہ پیسہ ہاتھ میں آئے!''

جوڑوں کا درد

آیا جو شادمانی کا موسم تو دیکھیے
بن بن کے آسمان سے جوڑے اتر گئے
اٹھ بیٹھ ویڈیو کی مگر اس قدر لگی
کچھ تو بچارے درد سے جوڑوں کے مر گئے

پیار کا احساس

ذرا دیکھو یہ کیسا اشتہار آیا ہے ٹی وی پر
فلاں چپل خریدو ، پیار کا احساس ہوتا ہے
کہا اک عاشقِ ناکام نے ، ''کیسے یقیں کر لوں
کہ اس کے ذکر سے ہی مار کا احساس ہوتا ہے!''

سنگت

سخن کی بزم برپا ہو ضروری تو نہیں ہم دم
جو شاعر ہے وہ دیواروں سے رشتہ جوڑ لیتا ہے
اگر رقاص ماہر ہے تو جب بھی ناچنا چاہے
میسر ہو نہ ہو سنگت ، وہ ایڑی موڑ لیتا ہے!

ای میل

کنواروں کا کہنا ہے اس دور میں
بڑے کام کی چیز اِی میل ہے
ہے یہ بیچلر میل کا مشغلہ
کہاں ، کون سے ویب پہ فی میل ہے

الیکشن اسپیشل

یہ پتا چلتا نہیں کہ کون کس کے سنگ ہے
پارلیمانی سیاست اس دفعہ بھی ''ہنگ'' ہے
کہہ دیا یہ ہارنے والوں نے سینہ ٹھوک کر
چار دن کی بات ہے اور پھر پرانا رنگ ہے

کمر کا درد

جوانی کے گزر جانے کا یارو
اثر ہم پر بھی کچھ طاری ہوا ہے
کمر کا درد اتنا بڑھ گیا ہے
کہ دردِ عشق پر بھاری ہوا ہے

بقیہ

سب سے زیادہ چھپنے والا روزنامہ دیکھ کر
ہم نے یہ جانا اہم خبروں کی کیا پہچان ہے
دو سطر کے بعد ''بقیہ'' جس میں ہو اس کو پڑھو
جس خبر میں ہو نہ ''بقیہ'' وہ خبر بے جان ہے!

بجلی کا بل

بل سے بجلی کے تو ہر اک حالتِ بسمل میں ہے
سانپ کے بل میں کہاں وہ ڈنک جو اس بل میں ہے
سن کے یہ شکوے ، کہا فرماں روائے وقت نے
''ان بلوں سے جان میری خود بڑی مشکل میں ہے!''

قومی زبان

کہا بیگم نے شوہر سے ، ڈنر تیار کر لینا
فرج میں بیف ہے،فش ہے ، چکن ہے اور مٹن بھی ہے
کلب میں آج کافی دیر تک بیزی رہوں گی میں
وہاں اردو زباں پر ایک پینل ڈس کشن بھی ہے!

گارنٹی

نئ چھتری کی گارنٹی جو پوچھی
تو بولا شاپ کیپر مسکرا کے
چلے گی زندگی بھر ، گر اسے تم
رکھو گے دھوپ بارش سے بچا کے

ساس کی چین

ساس کی چین لے کے سونے کی
چَین کی سانس تم نے لے لی ہے
مجھ کو لگتا ہے یہ مگر بیگم
مستقل پھانس تم نے لے لی ہے

اپنی بلا سے

اک میں ہوں میری سمت کوئی دیکھتا نہیں
ان کی طرف جو دیکھے تو بس دیکھتا رہے
ان کے مکان تک نہ رسائی ہو جب مری
’’اپنی بلا سے بوم بسے یا ہما بسے‘‘

نظمیں

مناسب رشتہ

کھیال یہ جو ہمارے دل میں ہے آج آیا اجیج بھائی
اسے ہماری ارج سمجھ لو یا اپنا دکھڑا اجیج بھائی

تمہیں کھبر یہ ملی تو ہو گی، کسی نے تم سے کہا تو ہو گا
گلی میں کیا گل کھلا رہا ہے ہمارا لمڈا اجیج بھائی

کسی سے ہم کیا کریں سکایت، کھراب نکلی ہماری کسمت
ہے ایک انڈا، سو وہ بھی گندا، عجب تماسا اجیج بھائی

نہ کام کا ہے ، نہ کاج کا ہے، پھکت وہ دسمن اناج کا ہے
مگر وہ آکھر کو ہے تو اپنے جگر کا ٹکڑا اجیج بھائی

نہ گر ہی سیکھا چلت پھرت کا، نہ کام سیکھا ہے کوئی گت کا
دکان داری کرادیں وس کو، یہی ہے سونچا اجیج بھائی

مگر کہاں سے اب آئے نگدی، تمہیں کھبر ہے ہمارے گھر کی
اسی پھکر میں تو سر ہمارا ہوا ہے گنجا اجیج بھائی!

یہ سوچتے ہیں بیاہ کردیں ، کسی سے وس کا نکاح کر دیں
پڑے گی سر پہ تو کام دھندے سے کھد لگے گا اجیح بھائی!

کھدانے دی ہے تمہیں جو بیٹی، پھکر لگی ہے ہمیں بھی وس کی
کھسی گی میں ہے اک جمانے سے اپنا ساجھا اجیح بھائی

نہیں ہے اچھا جوان لڑکی کو گھر میں ایسے بٹھا کے رکھنا
نکل نہ جائے تمہاری عجت کا ہی جناجا اجیح بھائی

یہ جان حاجر تمہاری کھاطر، ہمارا بیٹا تمہارا بیٹا
وخت پہ آویں نہ کام اپنے؟ گجب کھدا کا ، اجیح بھائی

تم اپنی بٹیا کا بیاہ کر دو ہمارے بیٹے سے ، بات مانو
پھرج سے پھارگ ہو جتنی جلدی ، ہے اتنا اچھا اجیح بھائی!

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے بیٹے کے نام ہو گا تمہارا سب کچھ
جو آنی جانی ہے چیج اس پر گلت ہے رونا اجیح بھائی!

جرا بھی سودا نہیں ہے مہنگا، اگر یہ سوچو کہ اس کے بدلے
ملے گا سمدھی تمہیں سیانا ، ہمارے جیسا اجیح بھائی !!

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

خمسہ بر غزلِ مرزا غالبؔ

گزرے وہ جھلاتے ہوئے جھمکا مرے آگے
لاکٹ ہے تو کنگن ہے تو چھلا مرے آگے
رہتا ہے ہمیشہ ہی یہ خطرہ مرے آگے
لڑکی مرے آگے ہے کہ لڑکا مرے آگے
''ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے''

بدلی ہیں یہاں آج محبت کی وہ رسمیں
شیریں نہ رہی اب کسی فرہاد کے بس میں
سوہنی کے لگے تیر مہینوال کی نس میں
کھاتی ہے یہاں ہیر کسی اور کی قسمیں
''مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے''

''سنتے ہو''، ''اجی''، کہتی تھی حوا کی یہ دختر
وہ طرزِ تخاطب تھا یا چاہت کا سمندر
اب دورِ مساوات ہے، دونوں ہیں برابر
پھر کیوں نہ پکارے اسے وہ نام ہی لے کر
''آتا ہے ابھی، دیکھیے کیا کیا مرے آگے''

شوخ بیانی

رکھنا تھا محبت کو چُھپا ، دل کی کلی میں
وعدہ تھا نبھانے کا بری اور بھلی میں
خارش ہوئی شاید ترے پیروں کی تلی میں
پکڑی جو گئی آج رقیبوں کی گلی میں
''تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے''

ابّا جو ترے ، عشق کی روداد سمجھتے
مجنوں کا یقیناً ہمیں ہمزاد سمجھتے
اور غیب سے بھیجی ہوئی امداد سمجھتے
سینے سے لگاتے ، ہمیں داماد سمجھتے
''کیوں کر کہوں ، لو نام نہ اُن کا مرے آگے!''

جنگ کی تباہ کاریاں

کل اک خاتون نے اک جاننے والے سے فرمایا
لڑائی چھڑ گئی ہے سرحدوں پر ، یہ سنا ہوگا

اگر کام آ گیا میرا منگیتر اس لڑائی میں
کروں گی آپ سے شادی ، اٹل یہ فیصلہ ہوگا

ہلا دی ہاں میں گردن اس بچارے نے ، مگر اس کو
لڑائی میں تبہ کاری کا اندازہ ہوا ہوگا!

ایک سماجی مسئلہ

کہا آ کر وکیل اور شاہدوں نے
بھلا ایسا کبھی ہوتا کہیں ہے؟

گئے تھے ہم رضا لینے دلہن کی
مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے

دبا لی دانت میں انگلی دلہا نے
شکن آلود قاضی کی جبیں ہے

دلہا کا باپ ہے آپے سے باہر
دلہن کا باپ ہے ، لیکن نہیں ہے!

اسی لمحے خبر آئی کہ دلہن
فلک پر ہے ، نہ وہ زیرِ زمیں ہے

علاقے میں جو بیوٹی پارلر ہے
سویرے سے ابھی تک وہ وہیں ہے!

بات ایک رات کی

قدم لرزیدہ لرزیدہ
نظر دُزدیدہ دُزدیدہ

دلہا کمرے میں آئے ہیں
مہک پاشیدہ پاشیدہ

ہوئی تاخیر آنے میں
دلہن خوابیدہ خوابیدہ

دلہن کے رخ پہ زلفوں کی
لٹیں پیچیدہ پیچیدہ

لٹوں کو دیکھ کر دلہا
ہوئے گرویدہ گرویدہ

تمنا رہ گئی دل میں
دلہا رنجیدہ رنجیدہ

بتایا گھر کے بھیدی نے
ہمیں پوشیدہ پوشیدہ

دلہن بھی بولتی کم ہیں
دلہا سنجیدہ سنجیدہ

فہیم الدین دلہا ہیں
دلہن فہمیدہ فہمیدہ!

عقیقے کا گوشت

سنا ہے جب یہ کہ گھر میں گوشت آیا ہے عقیقے کا
خیال آیا کہ اس صدقے کا مصرف ہو سلیقے کا

جو پوچھا ہم نے بیگم سے کہو کیا کیا پکانا ہے
وہ بولیں ، ہاں ، مگر پہلے مجھے بھی کچھ بتانا ہے

کہا میں نے کہ چھوڑو تم ابھی بیکار کے قصے
کہ قسمت سے ملا کرتے ہیں چھوٹے گوشت کے حصے

کڑاہی گوشت پہلے تو بنا لو آج تم بیگم
ضروری تو نہیں کہ اس مبارک دن پکے شلجم

ہیں جتنی ہڈیاں ، ان کی تو یخنی ہی بنا لینا
پئیں گے سردیوں میں ہم ، ابھی اس کو جما لینا

ہو تازہ گوشت تو بنتا ہے اسٹو لاجواب اس کا
مسالا اس قدر ڈالو ، نہ ہو خانہ خراب اس کا

بنا لو تم اگر چاہو تو تھوڑا سا ''مٹن ہنٹر''
ڈبل روٹی میں رکھ کے کھا سکیں ابّا مہینے بھر

کہا بیگم نے فرمائش تو سر آنکھوں پہ میرے ہے
مگر میری بھی سن لیتے ، مجھے بھی فکر گھیرے ہے

جو کاٹی بات بیگم نے تو غصے سے انہیں روکا
اڑائی ٹانگ کیوں تم نے ، مجھے پھر کس لیے ٹوکا؟

ہے پالک گوشت سے رغبت ، چلو وہ بھی بنا لو تم
مگر ایسا نہ ہو مرچیں کھڑی اُس میں نہ ڈالو تم

بھنا ہو گوشت دیسی گھی میں اور میتھی قصوری ہو
جو کھانے کے لیے بیٹھیں تو روٹی بھی تنوری ہو

ٹماٹر گوشت کے سالن میں گاڑھا شوربہ بھی ہو
مٹر آلو ڈلیں ، تیکھا سا اُس کا ذائقہ بھی ہو

بنا لیتا ہوں میں خود ہی ذرا سا قورمہ شاہی
پلاؤ بھی ، کہ خوشبو سے رکے جاتا ہوا راہی

ارادہ اس طرح باندھا خود اپنی میزبانی کا
خیال آیا نہ اِک پل شیخ چلی کی کہانی کا

پلاؤ میں مرے جیسے کوئی کنکر نکل آیا
دبا تھا اُن کے دل میں جو ، وہ سب باہر نکل آیا

زمیں تھرا رہی تھی اور فضا میں ایک ہلچل تھی
جو اپنی اہلیہ کے ہاتھ میں دیکھا تو چپل تھی

گرج کر مجھ سے وہ بولیں ، ابھی میکے کو جاتی ہوں
مگر سر سے تمہارے ، بھوت کو پہلے بھگاتی ہوں

یہ ہڈی اور بوٹی کا محل میں ہی گراؤں گی
سنو یا مت سنو ، لیکن یہ تم سے کہہ کے جاؤں گی

نہ حسرت کوئی نکلے گی نہ کوئی چاؤ نکلے گا
جو گوشت آیا ہے تولو گے ، تو آدھا پاؤ نکلے گا

جشنِ مسرت

ہمارے ساتھ والے گھر میں لگتا ہے دِوالی ہے
در و دیوار پر یہ رنگ و آرائش مثالی ہے

لگا ہے باغباں بھی رات دن اس کی سجاوٹ میں
نئے پودے لگے ، مہکی ہوئی پھولوں کی ڈالی ہے

ہے مہمانوں سے رونق کس قدر ان کے یہاں دیکھو
یہ خالہ ہیں ، وہ خالو ہیں ، یہ سالا ہے ، وہ سالی ہے!

کوئی گھر میں ہی گھنٹوں سے لگی ہے آج میک اَپ میں
تو کوئی پارلر میں دوپہر سے یرغمالی ہے!

عزیز و رشتہ دار آئے ہوئے ہیں دور سے سارے
سمندر پار کر کے ساس بھی آنے ہی والی ہے!

بہت مسرور و شاداں ہے ، اُدھر جس پر نظر ڈالو
چمک آنکھوں میں سب کے اور سب گالوں پہ لالی ہے

امرجنسی میں لیڈی ڈاکٹر اور نرس حاضر ہیں
کھڑی ہے ایمبولینس ، جس پر لگا پرچم ہلالی ہے

کچن سے آ رہی ہے اشتہا آمیز جو خوشبو
ابھی تھالوں میں باورچی نے بریانی نکالی ہے

ہمیں دعوت نہیں بھیجی مگر کھانا تو بھیجیں گے
سو ہم نے بھی اِدھر اپنی رکابی دھو ہی ڈالی ہے

مگر یہ ماجرا کیا ہے ، جو پوچھا ہم نے بیگم سے
تو بولیں جھینپ کر وہ ، بات کیا اس میں نرالی ہے

وہی جو کودتی پھرتی تھی کل تک اس محلے میں
کہا کرتے تھے تم ، توبہ! مصیبت کس نے پالی ہے

بڑے ناز و نعم سے جس کو پالا ہے پڑوسن نے
اسی نٹ کھٹ سی بلی کے ولادت ہونے والی ہے!

نقشِ جدید

اٹھو ، ذرا سوئے ہوئے بچوں کو جگا دو
پھیلے ہوئے بستر بھی کنارے سے لگا دو

اسکول پہنچنے میں نہ ہو دیر ذرا بھی
جلدی کرو ، پہلے انہیں تیار کرا دو

ہو جائیں ضرورت سے یہ فارغ تو انہیں تم
لے جا کے غسل خانے میں منہ ہاتھ دھلا دو

تہ کر کے رکھے رات جو کپڑے وہ نکالو
ترتیب سے ایک ایک کے ہاتھوں میں تھما دو

منے کی جرابیں ابھی گیلی تو نہیں ہیں؟
چولہے پہ انہیں رکھ کے ذرا دیر سکھا دو

بلو کو جو کھانسی ہے بھلا کیسے رکے گی
تم لا کے پڑوسن سے دوائی تو پلا دو

انڈے بھی تو بازار سے لانے ہیں ضروری
لے آؤ تو پھر ان کا گھٹالا بھی بنا دو

آئی تھی ڈبل روٹی جو پرسوں ، وہ پڑی ہے
سوکھی سہی ، پھسلا کے وہی سب کو کھلا دو

لے جاؤ انہیں گھیر کے تم نیچے سڑک پر
جیسے بھی ہو ، اسکول کی ویگن میں بٹھا دو

آتے ہوئے ہوٹل سے پراٹھے دو پکڑ لو
میرے لیے اچھی سی پھر اک چائے بنا دو!

بھاتی نہیں ہے گھر میں غلاظت مجھے بالکل
ایسا کرو گھر میں ذرا جھاڑو بھی لگا دو

دیواروں پہ دھبے مجھے اچھے نہیں لگتے
''جو نقش کُہن تم کو نظر آئے مٹا دو!''

یہ چھوٹی بھی اٹھ بیٹھی ہے لو صبح سویرے
دیتے رہو تھپکی اسے جب تک نہ سلا دو

دفتر کو تمہیں دیر تو ہو جائے گی بیشک
پھر آج بہانہ کوئی اچھا سا بنا دو

آتے ہوئے دفتر سے کہیں بھول نہ جانا
دوپہر کا کھانا ہمیں ہوٹل سے ہی لا دو

زحمت تمہیں اب اور میں کیا دوں مرے سرتاج
بس کھول کے ٹی وی ، مجھے ریموٹ تھما دو!!

شکوہ

میں یہاں پردیس میں ہوں اور تم سسرال میں
بھیج کر مجھ کو اِدھر بیٹھی ہو تم چکوال میں
کھا رہی ہو مرغیاں اور مست ہوں میں دال میں
جی نہیں لگتا مرا پردیس کے جنجال میں

حسرتیں ہی حسرتیں ہیں اس دلِ پامال میں
جانِ من تم ہو کہاں ، الجھا کے مجھ کو جال میں

صبح دم کھاتا ہوں میں چٹنی سے سوکھی روٹیاں
ہیں میسر تم کو تازہ نان ، تکے بوٹیاں
عیش کرتی ہیں وطن میں رہ گئیں جو ووٹیاں
مال کھا کھا کر ہمارا ، ہو گئی ہیں موٹیاں

روئی جیسے بھر رہا ہو کوئی اُن کی کھال میں
جانِ من تم ہو کہاں ، الجھا کے مجھ کو جال میں

جو گزرتی ہے یہاں ، تم کو سنا سکتا نہیں
ضعف ہے اتنا کہ دست و پا ہلا سکتا نہیں
کس قدر ''دبلا گیا'' ہوں میں ، بتا سکتا نہیں
ڈھونڈنے نکلوں اگر خود کو ، تو پا سکتا نہیں

کیا سے کیا میں ہو گیا ہوں ڈیڑھ دو ہی سال میں
جانِ من تم ہو کہاں ، الجھا کے مجھ کو جال میں

کام اتنا ہے کہ تھک کر چور ہو جاتا ہوں میں
روز و شب افسر کی اپنے ، جھڑکیاں کھاتا ہوں میں
رات آدھی بیت جاتی ہے تو گھر آتا ہوں میں
ہاں ، مگر سونے سے پہلے زیرِلب گاتا ہوں میں

اک یہی مصرع مگر دھیمے سُروں میں ، تال میں
جانِ من تم ہو کہاں ، الجھا کے مجھ کو جال میں!

جوابِ شکوہ

خط تمہارا مل گیا ہے اور اب سن لو جواب
مفت میں جل بھن رہے ہو ، بن رہے ہو تم کباب
جھانک کر اپنا گریباں بھی ذرا دیکھو جناب
تم نے اپنے راستے کا خود کیا تھا انتخاب

دن نہ یہ تم دیکھتے ، رہتے اگر تم کھال میں
وہ خدا کی ذات رکھے جس کو جیسے حال میں

یاد ہے بھیجا تھا تم نے اک لفافہ عطر بیز
کھول کر دیکھا تو تھی فہرستِ سامانِ جہیز
ریڈیو ٹی وی وغیرہ سے ہمیں کب تھا گریز
گلف کے ویزے نے کی لیکن ہماری نبض تیز

تم نے ڈالا تھا مرے ابو کو کس جنجال میں
وہ خدا کی ذات رکھے ، جس کو جیسے حال میں

چین سے میکے میں تھی ، کیا لطف اُس راحت میں تھا
چولہا چکی ، جھاڑو برتن ، کب مری فطرت میں تھا؟
میری شادی کے لیے ہر شخص بس عجلت میں تھا
ساس نندوں کو بھگتنا ہی مری قسمت میں تھا

جی رہی ہوں میں نہ جانے کیسے اس بھونچال میں
وہ خدا کی ذات رکھے ، جس کو جیسے حال میں

ماں تمہاری پوچھتی رہتی ہیں ، کب آئے گا لال
باپ اور بہنوں کی حالت پر بھی ہوتا ہے ملال
اور میں قسمت کی ماری ، کیا بتاؤں دل کا حال
لوٹ آنے کا مگر ہرگز نہ ہو تم کو خیال

بھول جاتے ہیں یہاں کے غم وہاں کے مال میں
وہ خدا کی ذات رکھے ، جس کو جیسے حال میں

آخری راستہ

ابھی کل ہی تو تم نے مجھ سے میرا حال پوچھا تھا
گزرتے کس طرح سے ہیں یہ ماہ و سال ، پوچھا تھا
سبب بیتابیِ دل کا ، بصد اشکال پوچھا تھا
زمانہ چل رہا ہے اور کوئی چال ، پوچھا تھا

زباں کھولی جو میں نے جوش میں دل اور جگر آئے
نہ جانے کیا ہوا ، آنکھوں میں آنسو بھی اتر آئے

کہا تھا میں نے تم سے ، اب مجھے تنہائی ڈستی ہے
تمہاری دید کو ہر دم نظر میری ترستی ہے
جہاں میں ہوں وہ کہنے کو حسیں خوابوں کی بستی ہے
مگر میرے لیے بے لطف ہے ، بے کیف و مستی ہے

سکوں ملتا ہو جس کو بس تمہاری ہی پناہوں میں
بسیں گے کیا یہ نظارے بھلا اس کی نگاہوں میں

یہاں آ جاؤ سب کچھ چھوڑ کر ، یہ کہہ نہیں سکتا
مگر میں کیا کروں اب میں اکیلا رہ نہیں سکتا
میں ابرِ غم کی بارش میں ہمیشہ بہہ نہیں سکتا
یہ تنہائی کے صدمے اور زیادہ سہہ نہیں سکتا

شبِ ہجراں میں گزرے عمر ساری ، کیا قیامت ہے
رہے ہر دم عجب سی بیقراری ، کیا قیامت ہے

ابھی کل ہی تو ہم دونوں نے اس پر گفتگو کی تھی
مری الجھن سلجھ جائے ، یہ باہم جستجو کی تھی
کسی نے کب تمنائے جہانِ رنگ و بو کی تھی
کوئی ہو وصل کی صورت ، یہی بس آرزو کی تھی

یہ طے پایا کہ اس بارے میں فکر و غور کرنا ہے
علاجِ درد فرقت اب کسی بھی طور کرنا ہے

مگر ہونے لگا ہے آج یہ احساس شدت سے
نہیں ہے مجھ کو چھٹکارا ابھی محنت مشقت سے
اُدھر تم پر بھی ذمہ داریاں باقی ہیں کثرت سے
ابھی زائد ہے فکرِ روز و شب ، دردِ محبت سے

یہی بہتر ہے ارمانوں کا اپنے خون کر لیں ہم
جو بے چینی بڑھے حد سے تو ٹیلیفون کر لیں ہم!

لیلیٰ اور مجنوں کا
شکوہ...... جوابِ شکوہ

حصہ اوّل......شکوہ

قدم لرزاں تھے خوفِ پاسباں سے
جھجک سے گال سیب ارغواں سے

چھپا کے منہ نقاب پیچواں سے
نکل آئی مگر لیلیٰ مکاں سے

مقابل آئی وہ مجنوں کے جس دم
ہوئی گویا زبانِ بے زباں سے

پکڑ رکھا ہے کیوں کونا گلی کا
بھلا جاتے نہیں تم کیوں یہاں سے؟

اٹھا کر منہ تم اپنا یوں کھڑے ہو
جدا ہو اونٹ جیسے سارباں سے!

لباسِ تن بھی ہے میلا کچیلا
گریباں بھی پھٹا ہے درمیاں سے

مَنوں مَٹی جمی سر پر تمہارے
اٹا ہے جسم میلِ بے کراں سے

کریموں سے تمہیں رغبت نہیں ہے
نہ ''تبت'' سے، نہ ہی ''عمرِ رواں'' سے!

نہ باز آتے ہو تم خصلت سے اپنی
تمہیں ملتا ہے کیا آہ و فغاں سے؟

کھرے ہوتے محبت میں اگر تم
نہ گھبراتے کسی بھی امتحاں سے

نظر مکتب میں تختی پر ٹھہرتی
چپک جاتی نہ رُوئے گل فشاں سے!

لگاتے دل پڑھائی میں اگر تم
تو رہتے دور کسب عاشقاں سے

چلے جاتے سمندر پار تم بھی
نہ لاتے میم لیکن تم وہاں سے

کہیں سے کوئی ڈگری لے کے آتے
منیلا سے یا آذر بائجاں سے!

تمہارے ہم جماعت تھے جو لڑکے
کہاں پہنچے وہ سب جانے کہاں سے

نہ رکھا ہے مجھے تم نے کہیں کا
اُدھر خود بھی گئے دونوں جہاں سے

مری کشتی لگے گی پار کیونکر
لڑوں کیسے میں اب موجِ رواں سے؟

جوانی ہے کہ ڈھلتی جا رہی ہے
بھلا رشتہ مرا آئے کہاں سے

مرے گھر سے نکلنے پر ہے بندش
چھپا کر خود کو میں اہلِ مکاں سے

یہی اک بات کہنے آ گئی ہوں
مجھے مطلب نہیں سود و زیاں سے

خدا کے واسطے بخشو مجھے تم
اٹھا لو بوریا بستر یہاں سے

نہیں تو ، لو یہ پیسے اور جا کر
ذرا سا زہر ہی لا دو دکاں سے!

حصہ دوئم ...... جوابِ شکوہ

زمیں سے ہے کہ اوجِ لا مکاں سے
صدا لیلٰی کی آتی ہے کہاں سے

حواس و ہوش میں آیا جو مجنوں
نکل کر عالم وہم و گماں سے

مخاطب ہو کے وہ لیلٰی سے بولا
جھٹک کے گرد جسم ناتواں سے

گلی کیسے بھلا چھوڑوں تمہاری
کہاں جاؤں تمہارے آستاں سے؟

تمہارے رشتہ داروں نے ڈرایا
طمنچے سے، کبھی نوکِ سناں سے

محبت میں جو مرنے پر تلا ہو
ڈرے گا کیا وہ آوازِ سگاں سے!

مجھے ہے ناز اس دیوانگی پر
کہاں تک تم کو پہنچایا کہاں سے

تمہارا نام بھی کوئی نہ لیتا
یہ مٹ جاتا زمین و آسماں سے

مرے دم سے ہوئی دنیا شناسا
سگِ لیلیٰ سے اور لیلیٰ کی ماں سے!

ہوئے مشہور وہ عالم میں کتنا
ذرا پوچھو یہ تم ابّا میاں سے

مگر دکھ ہے تو یہ ہے کہ مجھے بھی
ملایا تم نے بے نام ونشاں سے

اٹھائے ڈگریاں پھرتے ہیں لاکھوں
ملا ہے کیا انہیں بارِ گراں سے

جگت استاد ہوں میں عاشقی کا
یہ دیکھو پوچھ کر پیر و جواں سے

سبق الفت کا جو میں نے دیا ہے
وہ مٹ سکتا نہیں لوحِ جہاں سے

سحر میرا ادب اور شاعری پر
قلم رکتا نہیں میرے بیاں سے

جو سچ پوچھو تو ہے نسبت مجھے بھی
جگؔر سے، میؔر و غالبؔ سے، فغاںؔ سے

مریں دشمن ہمارے زہر کھا کر
بھلا یوں کون جاتا ہے جہاں سے

کرو مت فکر تم رشتے کی بالکل
کہ میں حاضر ہوں دل سے اور جاں سے

مگر ہے شرط یہ میری بھی لیلیٰ
اٹھے پردہ نہ اس رازِ نہاں سے

یہی بہتر ہے دنیا میں رہیں ہم
پریشاں ، نالہ کش ، بے خانماں سے

ملے گی خاک میں شہرت ہماری
نظر آئے اگر ہم شادماں سے

یہ وعدہ ہے مرا دو بول ارم میں
ہمیں پڑھوائیں گے پیر مغاں سے

یہی صحرا ہے وہ ہمدم ......

پھٹے کپڑوں میں پھرتا تھا مگر شاہانہ رہتا تھا
شراب عشق میں ڈوبا ہوا ، رندانہ رہتا تھا
لبوں پر جس کے لیلیٰ کا سدا افسانہ رہتا تھا
سگِ لیلیٰ سے بھی جس شخص کا یارانہ رہتا تھا

وہ مجنوں تھا جو بن کر عاشق مستانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

یہیں وہ مدرسہ تھا ، یا کہو دربار لیلیٰ کا
لگا تھا اس بچارے کو یہیں آزار لیلیٰ کا
یہیں پہلے پہل اس نے چھوا رخسار لیلیٰ کا
یہیں گھنٹوں کیا کرتا تھا وہ دیدار لیلیٰ کا

پڑھائی اور لکھائی سے تو وہ بیگانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

یہیں سے قصۂ الفت ہوا مشہور مجنوں کا
نیا عنواں زمانے کو ملا چاہت کے مضموں کا
بگاڑے کیا بھلا اِک ماہیِ بے آب ، گردوں کا
پیاسا ہو گیا پھر بھی اک عالم قیس کے خوں کا

یہاں پر خطرۂ جنگ و جدل روزانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

یہیں لیلیٰ کے بہنوئی نے اس کی ہڈیاں توڑیں
سگِ لیلیٰ نے رسماً بوٹیاں دو چار بھنبھوڑیں
جو اپنے تھے مصیبت میں انہوں نے گردنیں موڑیں
یہیں پر گوند سے لیلیٰ نے اس کی پسلیاں جوڑیں

بچارا صبر کا بن کر یہاں پیمانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

یہاں جاسوسیاں لیلیٰ کی کیں اس کی کنیزوں نے
پریشاں کر دیا دونوں کو ان سب بدتمیزوں نے
اُدھر گل یہ کھلایا مل کے ان طرار چیزوں نے
کہ رشتہ ایک امریکہ سے بھجوایا عزیزوں نے

نہیں سوچا یہیں تو شمع کا پروانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

اچانک ایک دن بوئنگ میں لیلیٰ ہو گئی رخصت
ملا ویزا تو امریکہ کی جانب کر گئی ہجرت
ادھر وحشت میں کچھ ایسی بگاڑی قیس نے صورت
کہ ظالم کوتوال شہر پر طاری ہوئی دہشت

پکڑ کر اس کو واں بھیجا جہاں ویرانہ رہتا تھا
یہی صحرا ہے وہ ہمدم جہاں دیوانہ رہتا تھا

چلتی کا نام گاڑی

گھر آئے ہم سے ملنے اک مہرباں ہمارے
زیرِ رکاب تھی اک نازک خرام گاڑی
پوچھا جو ہم نے ان سے ، پٹرول ہے یا ڈیزل؟
یا پھر سی این جی ہوگی یہ بے لگام گاڑی
کہنے لگے کہ ''سی کے این جی'' اسے سمجھ لو
مطلب جو پوچھا ، بولے ، ''چلتی کا نام گاڑی!''

حسرت ان غنچوں پہ ہے............

جب سنا ساس ایک ساتھی کی
اب نہیں ہیں جہانِ فانی میں

لے کے بیوی کو اور بچوں کو
ہم بھی پہنچے قران خوانی میں

کھا کے پھر ہم مٹن کی بریانی
لگ گئے ذکر رفتگانی میں

ان سے پوچھا جو ماجرا سارا
ہم سے بولے وہ رازدانی میں

آگ تھوڑی سی لگ گئی تھی کل
کر دیا فون بے دھیانی میں

فائر مینوں کی فوج آ پہنچی
ہے وہ مشہور جاں فشانی میں

اس طرح لڑ پڑی وہ شعلوں سے
پھٹ گئے ، ہوز ، کھینچا تانی میں

آگ بجھتے ہی وہ ہوئی رخصت
جیسے بارات شادمانی میں

ہم نے سمجھا کہ ٹل گئی آفت
موڑ آیا مگر کہانی میں

پانی پانی ہوا ہمارا گھر
جیسے دریا کوئی روانی میں

پھیر کے منہ ، ہماری خوشدامن
یوں نہ جاتیں بھری جوانی میں!

جل کے مرنے سے بچ گئیں لیکن
مر گئیں ڈوب کے وہ پانی میں !!

منا بڑا پیارا

منا نہ گر پڑے ذرا اس پر نظر رکھیں
بن ٹھن کے آج آپ کدھر کو نکل چلے؟

ہم نے کہا ، ہمیشہ ہی ٹوکا ہے آپ نے
جب ہم مشاعرے میں سنانے غزل چلے

منے کی کس لیے ہے بھلا فکر آپ کو
''وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے!''

امداد باہمی

کسی شاعر نے گم کر دی سفر میں ڈائری اپنی
مناسب ایسے موقع پر نہیں تھی خامشی اپنی

اٹھایا میں نے ٹیلیفون اور نمبر گھما ڈالا
اگرچہ کال کرنے میں رقم کافی لگی اپنی

سلام ان کو بصد تکریم و عزت جب کیا میں نے
انہوں نے بھی مروت میں دکھائی خوش دلی اپنی

بتائی ان کو میرے دل پہ جو گزری خبر سن کر
عیاں پھر ان کے دکھ سے میں نے کی وابستگی اپنی

مگر کہنے لگے وہ ، آپ سے واقف نہیں ہوں میں
مجھے لگتا نہیں کہ آپ سے ہے دوستی اپنی

فراق ڈائری میں غم زدہ اور آبدیدہ ہوں
مری حالت پہ سوجھی آپ کو یہ مسخری اپنی؟

نوازش ہو اگر رہنے دیں مجھ کو حال پر میرے
''مجھے تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی''

کہا میں نے ، ہے میرا مشغلہ بھی شاعری حضرت
شریک غم ہوں ، لایا ہوں فقط میں ، مخلصی اپنی

جو گم گشتہ ہے اس شے کا بھلا کیوں اس قدر ماتم
یہ آہ و زاریاں فی الحال کر دیں ملتوی اپنی

اگرچہ آپ سے بہتر نہیں جو میں نے لکھا ہے
مٹا سکتے ہیں لیکن آپ اس سے تشنگی اپنی

مرا دیوان حاضر ہے، اسے اب آپ ہی رکھ لیں
سمجھ لیں ہر غزل ، قطعہ رباعی ، مثنوی اپنی

چلا پھر سلسلہ دونوں میں حجت اور دلیلوں کا
اُدھر انکار تھا ان کا ، اِدھر تھی عاجزی اپنی

دباؤ بڑھ گیا اتنا بالآخر قلب نازک پر
کہ از خود رفتگی میں کہہ گئے وہ اَن کہی اپنی

وہ بولے کس طرح بھولوں بھلا اس ڈائری کو میں
اسی کے دم سے تھی بزمِ سخن میں ساحری اپنی

نشانی اس مبارک دن کی تھی،جب میرے دفتر میں
بیاضِ شاعری بھولا تھا کوئی اجنبی اپنی!

ہمارے بھی ہیں مہرباں ۔۔

ان کو ہم اپنا دوست لکھیں ، آشنا لکھیں
ہمدم لکھیں ، رفیق لکھیں ، ہمنوا لکھیں

شعر و ادب سے ان کو تعلق ہے کس قدر
طاقت کہاں قلم میں کہ یہ ماجرا لکھیں

لکھنے میں کچھ نہ کچھ ہیں یہ مصروف رات دن
کاغذ ، قلم ، دوات میں ان کو فنا لکھیں

نقد و نظر میں ہے وہ مہارت کہ ہم انہیں
اقلیمِ نظم و نثر کا فرماں روا لکھیں

یکتا ہے اپنے فن میں کوئی ، تو ہوا کرے
ان کو نہیں جچا تو اسے سرپھرا لکھیں

تحت الثریٰ سے عرش بریں ایک آن میں
پہنچے وہ خوش نصیب جسے مرحبا لکھیں

اتنا ہی ہم لکھیں کہ سمجھ پائیں وہ اسے
ان کی پہنچ سے ہم نہ کبھی ماورا لکھیں

ساقی کا اور شراب کا ہو ذکر بار بار
زاہد کو بھول کر نہ کبھی پارسا لکھیں

ممکن نہیں غضب سے بچیں ہم جناب کے
بالشتیوں کو بھی نہ اگر سرو سا لکھیں

محبوب کے بیاں میں ہو لازم مبالغہ
چہرے کو پھول ، زلف کو ہم اژدھا لکھیں

لازم ہے ہم پہ ، ہم جو لکھیں بحر میں رہے
ہم وزن و ہم ردیف لکھیں ، قافیہ لکھیں

لکھنے میں احتیاط سے ہم کام لیں ، مگر
جو ان کے جی میں آئے اسے برملا لکھیں

لکھّے مقدمہ تو مصنف بقلم خود
لیکن ہے یہ اٹل کہ وہی فیصلہ لکھیں

دو جلدیں اس لیے انہیں بھیجیں کتاب کی
بے لاگ اپنی رائے لکھیں ، تبصرہ لکھیں

بولے وہ دیکھ کر مرا مجموعۂ کلام
پہلے پہ کیا لکھوں ، چلیں اب دوسرا لکھیں!!

گرمی بازار

بازار ہے پھر گرم سیاست کے نگر کا
ہے قدر اسی کی جو نہ ہو گھاٹ ، نہ گھر کا

چھپنے لگے اخبار میں پھر میرے بیانات
برسیں گے ذرا دیر میں اکرام و عنایات

آنے لگے دروازے پہ وہ لوگ بھی یارو
کہتے تھے مجھے دیکھ کے ''پتھر اسے مارو''

گالی مجھے دیتے تھے سر عام جو ہر شام
لکھا ہے انہوں نے بھی حلیفوں میں مرا نام

تھیلوں میں لیے نوٹ چلے آئے ہیں کیوں آپ
کیا ریس کا گھوڑا ہوں کہ بک جاؤں گا چپ چاپ؟

باتوں سے مجھے آپ نہ بہلایئے سرکار
سن لیجیے اس مرتبہ کیا ہے مجھے درکار

ووٹ بینک سے اپیل

یہ پانی کے نلکوں کا آنسو بہانا
یہ بجلی کا جانا ، پلٹ کر نہ آنا
بجٹ کا غریبوں کی گردن دبانا
یہ ہر شے کی قیمت کا بڑھتے ہی جانا

ہمارا مگر سکھ کی بنسی بجانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

یہ مانا شب و روز ہیں قتل و ڈاکے
یہ اغوا کے قصے ، یہ چوروں سے ناتے
مقدر میں بیروزگاری و فاقے
ہمیں لانے والے کہاں بچ کے جاتے

کہ ان کو بھی تو کچھ سبق ہے سکھانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

جو بینکوں سے قرضہ لیا ہے تو پھر کیا
کروڑوں کا گھپلا کیا ہے تو پھر کیا
جو خوں مفلسوں کا پیا تو پھر کیا
جو مر مر کے کوئی جیا ہے تو پھر کیا

یتیموں کا ، بیواؤں کا بلبلانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

یہ مانا کہ جو تھا یہاں بیچ کھایا
ہمیں نے تو آدھا مکاں بیچ کھایا
اخّوت کا نام و نشاں بیچ کھایا
یہاں تک کہ امن و اماں بیچ کھایا

یہ دہشت کا عالم ، یہ بگڑا زمانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

مساجد میں خوں ریزیاں ہو رہی ہیں
تو ایواں میں اٹکھیلیاں ہو رہی ہیں
اصولوں کی یوں دھجیاں ہو رہی ہیں
کہ نیلام اب کرسیاں ہو رہی ہیں

سرِ عام رشوت کی منڈی لگانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

نہ ہوتی اگر ہم میں بکنے کی خصلت
چمکتا نہ یوں کاروبار سیاست
کہاں کا یہ ملک اور کہاں کی یہ ملّت
فقط کام اب ہے ہمارا یہ شوکت

کہ ہر حال میں اپنی کرسی بچانا
یہ سب بھول جانا ، ہمیں نہ بھلانا

سیاسی ترانہ

مطلب نہیں تو اپنوں سے بھی دوستی نہیں
کرتب ہے لیڈری ، یہ کوئی دل لگی نہیں
زر کی ، زمیں کی ، زن کی اگرچہ کمی نہیں
لیکن ہوس کی آگ ابھی تک بجھی نہیں

سر پر ہمارے سایۂ ابلیس چاہیے
خدمت کریں گے قوم کی ، پر فیس چاہیے
لیتے تھے سو پہ دس مگر اب تیس چاہیے
ورنہ سمجھ لو دال کسی کی گلی نہیں

دو چار دن ہی اور اکڑنا ہے قوم کا
رسّا پھر اس طرح سے پکڑنا ہے قوم کا
قرضے میں بال بال جکڑنا ہے قوم کا
دلدل میں یوں پھنسے کہ یہ نکلے کبھی نہیں

دیتے ہیں یوں تو گوروں کو دن رات گالیاں
ان کا ہی فیض ہے کہ ہیں گالوں پہ لالیاں
وہ ہیں شجر ہمارے تو ہم ان کی ڈالیاں
سچ پوچھیے تو ان سے کوئی دشمنی نہیں!

رہنے دو چین سے ہمیں گدّی پہ دو گھڑی
چھین و جھپٹ میں گزرے، گزرتی ہے جو گھڑی
دل جس سے ڈر رہا ہے نہ آجائے وہ گھڑی
کرسی کا کیا بھروسا ابھی ہے، ابھی نہیں!

گدّی ہے اقتدار کی اک تار عنکبوت
نکلے جو اس سے ہو گئے ہم جن چڑیل بھوت
دو دو ٹکے میں بک گئے اس قوم کے سپوت
وہ قوم جو کسی کے بھی آگے جھکی نہیں

چناؤ

چناؤ سر پہ آئے ہیں چلیں گے پھول گیندے کے
گلے میں لیڈروں کے پھر ڈلیں گے پھول گیندے کے

ادھر لیڈر تو کھائیں گے سموسہ ، کھیر اور پوری
ادھر ورکر بچارے بس تلیں گے پھول گیندے کے

ہوا ہلڑ کہیں یارو اگر جلسے جلوسوں میں
ٹماٹر کی جگہ دیکھو چلیں گے پھول گیندے کے

ضمانت جن کی ہو گی ضبط وہ پھر گھر کو جائیں گے
کفِ افسوس پر رکھ کر ملیں گے پھول گیند ے کے

نہ آیا ایک بھی ووٹر اگر حسّاس حلقوں میں
تو گنتی کے لیے سمجھو ڈلیں گے پھول گیندے کے

ہوئے امیدوار اتنے بہت سے لوگ کہ ڈر ہے
رقابت کی حرارت سے جلیں گے پھول گیندے کے

جو کرواتے رہے لیڈر الیکشن آئے دن یارو
تو کیسے دیس میں پھولے پھلیں گے پھول گیندے کے

تھلّے لگ گیا

مجھے دیکھو نظر بھر کے تمہارا رہنما ہوں میں
جو مانگی تم نے برسوں تک وہی شاید دعا ہوں میں
جواں ہوں ، خوبصورت ، خوش گلو اور خوش ادا ہوں میں
مصاحب بادشاہ وقت کا ہوں باوفا ہوں میں
مگر سب لوگ کہتے ہیں کہ تھلّے لگ گیا ہوں میں

پھنسی ہے میری رسّی بھی سیاست کے ببولوں پر
بلا خوف و خطر میں جھولتا ہوں آج جھولوں پر
بھلا کب تک میں چلتا باپ دادا کے اصولوں پر
کھلی ہیں جو نئی راہیں ، انہی پر چل پڑا ہوں میں
وہ جلتے ہیں جو کہتے ہیں کہ تھلّے لگ گیا ہوں میں

عجب ہی لطف رکھتا ہے مگر شوق سیاست بھی
مقام فخر بھی آتا ہے اور ملتی ہے دولت بھی
زمیں پاؤں تلے سرکی تو ہے قید و مشقت بھی
اسی اک خوف سے اکثر ذرا سا کانپتا ہوں میں
مگر یہ مت سمجھ لینا کہ تھلّے لگ گیاہوں میں

محلّے میں مری دہشت کا لوہا مانتے ہیں سب
اگر میں جھوٹ بھی بولوں تو سچا جانتے ہیں سب
مرے تھوڑے کہے کو بھی بہت گردانتے ہیں سب
مگر ایواں میں جاتا ہوں تو طوطی کی صدا ہوں میں
تبھی تو لگ کہتے ہیں کہ تھلّے لگ گیا ہوں میں

نہ جانے کیوں عزیزوں سے میں اب نظریں چراتا ہوں
اور اپنے دوستوں سے بھی میں یوں دامن بچاتا ہوں
کہ ان کے پاس جاتا ہوں ، نہ میں ان کو بلاتا ہوں
میں اپنوں میں تو رہتا ہوں مگر سب سے جدا ہوں میں
مجھے لگتا ہے کچھ ایسا کہ تھلے لگ گیا ہوں میں!

ایک لیڈر!

(جاوید اختر سے معذرت کے ساتھ)

ایک لیڈر کو دیکھا تو ایسا لگا
جیسے دیسی شراب
جیسے خانہ خراب
جیسے ننگِ وطن
جیسے وعدہ شکن
جیسے عادی فقیر
جیسے مردہ ضمیر
جیسے ناسور ہو کوئی سڑتا ہوا

ایک لیڈر کو دیکھا تو ایسا لگا
جیسے بجلی کا تار
جیسے خنجر کی دھار
جیسے جنگل کی آگ
جیسے زہریلا ناگ
جیسے صحرا میں دھوپ
جیسے شیطاں کا روپ
جیسے مندر میں ہو کوئی بہروپیا

ایک لیڈر کو دیکھا تو ایسا لگا

جیسے ووٹوں کا چور

جیسے ہیبت پہ زور

جیسے کانٹوں کا ہار

جیسے مطلب کا یار

جیسے مایا کا کھیل

جیسے لالچ کی بیل

جیسے اژدر ہو کرسی سے چمٹا ہوا

آرمی نامہ

(نظیر اکبرآبادی کی روح سے معذرت کے ساتھ)

جنگجو ہے صف شکن ہے سو ہے وہ بھی آرمی
غوّاص و کوہکن ہے سو ہے وہ بھی آرمی
گلیوں میں خیمہ زن ہے سو ہے وہ بھی آرمی
جو حافظِ وطن ہے سو ہے وہ بھی آرمی

اور وہ جو گلبدن ہے سو وہ بھی آرمی

یاں آرمی پہ جان کو وارے ہے آرمی
اور آرمی کو جان سے مارے ہے آرمی
وردی بھی آرمی کی اتارے ہے آرمی
چلّا کے آرمی کو پکارے ہے آرمی!

حاضر جنابِ من ہے سو ہے وہ بھی آرمی

جرنیل آرمی میں ہی ملتے ہیں بے شمار
میجر اسی میں ہیں تو اسی میں رسالدار
شکلیں تو ایک سی ہیں مراتب مگر ہزار
ہے ٹینک پر کوئی تو کوئی جیپ پر سوار

پیدل جو گامزن ہے سو ہے وہ بھی آرمی!

بیرک سے یاں نکل کے جو آتی ہے آرمی
پاؤں زمیں پہ اپنے جماتی ہے آرمی
عہدے وزارتوں کے جو پاتی ہے آرمی
تگنی کا سب کو ناچ نچاتی ہے آرمی

بیرک میں جو مگن ہے سو ہے وہ بھی آرمی

یاں آرمی ہی صدر ہوئی ، آرمی وزیر
ممبر بھی آرمی ہی بنی ، آرمی سفیر
یہ سب تو ہے مگر ہے یہ پتھر پہ اک لکیر
''بازیگروں سے جان چھڑانی ہے گر نظیرؔ''

امید کی کرن ہے سو ہے وہ بھی آرمی!

کرمل

بچت

دیکھ کر اس کو عدو کے ساتھ کل بازار میں
دل مقید ہو گیا مایوسیوں کے غار میں
پھر خیال آیا ، چلو اچھا ہوا
اس بہانے ٹل گئی اپنی بلا
ورنہ ہو جاتی ہماری جیب خالی ، پیار میں!

جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

خواب کی مانگی تھی جو تعبیر وہ کیسے ملے
بن کے جو بگڑے نہیں تقدیر وہ کیسے ملے
آپ کو کھونے کا ہم کو غم نہیں
ہاں ، مگر یہ فکر بھی تو کم نہیں
لٹ گئی جو عشق میں جاگیر وہ کیسے ملے؟!

ہینڈز اَپ

رہ گزر تاریک تھی ، جلتا دیا کوئی نہیں
تھا تعاقب میں وہ میرے ، دوسرا کوئی نہیں
اس نے جب دیکھا کہ میں لاچار ہوں
مجھ سے بولا ''مفلس و نادار ہوں''
بس یہی پستول ہے اور آسرا کوئی نہیں!

آلو کے پراٹھے

میاں

تم نے جو کھلائے ہیں یہ آلو کے پراٹھے
من کو مرے بھائے ہیں یہ آلو کے پراٹھے
یہ دل یہ جگر اس پہ لٹاؤں
اور اس کو گلے سے میں لگاؤں
جس نے بھی بنائے ہیں یہ آلو کے پراٹھے

بیوی

کیوں سر میں سمائے ہیں یہ آلو کے پراٹھے
کیا پہلی دفعہ کھائے ہیں آلو کے پراٹھے؟
پاگل نہ بنو، حد میں رہو تم
غصے سے پڑوسی کے ڈرو تم
ہمسائے سے آئے ہیں یہ آلو کے پراٹھے

ملاحت وحلاوت!

اللہ اللہ کیا کرو
دل نہ کسی کو دیا کرو!



ہم آہ بھی کر دیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کر دیں تو مقدمہ نہیں بنتا



حسرت پہ اس مسافرِ بے بس کی رویئے
جو صبح سے کھڑا ہو کہ دفتر کی بس ملے!



اگ رہا ہے لب و رخسار پہ سبزہ یارو
ہیں وہ دسویں میں مگر منہ پہ بہار آئی ہے!



عرصۂ ظلمت حیات کٹے
دیکھ ٹی وی کہ لمبی رات کٹے

انتخابِ کلام

سید ابوظفر زین (والدِ محترم، شوکت جمال)